بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّآ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ

اَطِیْعُوا اللّٰہَ

وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

سِلسِلۂ امام ابن تیمیہؒ

اُردو ترجمہ

کتاب

تفسیر

سورتی الفلق والناس

مصنفہ

مجدد اعظم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالےٰ

مع متن عربی

حسب فرمایش

محمد شریف عبد الغنی تاجران کتب کشمیری بازار - لاہور

و

مالکان دار الترجمہ والاشاعۃ تصانیف امام ابن تیمیہؒ

در اسلامیہ سٹیم پریس بیرون کشمیری دروازہ لاہور میں باہتمام مولوی عبد الرشید مینیجر چھپا

رقمہ محمد صادق صدیقی ساکن گکھڑ

تعداد جلد ۱۰۰۰

امام ابن تیمیہؒ کی مندرجہ ذیل تصانیف کے اُردو ترجمے چھپ کر تیار ہیں

العقیدۃ الواسطیہ اردو مع متن عربی یہ کتاب اصول ایمان کی تفسیر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ۔ ملائکہ کتب۔ رسل۔ تقدیر اور یوم آخرت پر جس طرح ایمان رکھنا چاہئے اُسکی پوری پوری تشریح ہے۔ ضمن میں صفات الٰہیہ مثلاً استوی۔ نزول وغیرہ اور شفاعت رسول صلعم اور فضائل صحابہؓ اور دیگر مفید مضامین پر دلچسپ بحث کیگئی ہے۔ قیمت - - - ۶/

درجات الیقین اردو مع متن عربی صوفیائے کرام کو خوشخبری ہو۔ کہ ان کے مطالعہ کے لئے یہ کتاب ایک بے بہا تحفہ ہے۔ معرفت الٰہی کا گنجینہ اور قرآنی تعلیم کا نچوڑ ہے۔ قرآن شریف میں جو یقین کے تین مراتب علم الیقین۔ عین الیقین۔ حق الیقین مذکور ہیں۔ اس کتاب میں انکی تفسیر ہے۔ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ۔ قیمت صرف - - - ۲/

الوصیۃ الکبرےٰ مترجم اردو اس کتاب میں فرقہ ناجیہ اہل سنت والجماعت کے عقاید کا خلاصہ نہایت مختصر مگر نہایت جامع الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس سے سادہ، مختصر اور آسان صورت میں اب تک عام عقاید کا مرقع مرتب نہیں ہوا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ حضرت امام موصوف کے خاص انداز کے مطابق اس کتاب کا ایک ایک لفظ قرآن وسنت سے ماخوذ ہے۔ نہایت ہی سلیس اور بامحاورہ ترجمہ ہے۔ توحید اور اتباع سنت کی ترغیب اور شرک وبدعات کی نفی نہایت پُرزور استدلالات سے کی گئی ہے۔ اس کتاب کی خوبی دیکھنے پر منحصر ہے۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ قیمت صرف - - - ۸/

الوصیۃ الصغرےٰ اردو مع متن عربی یہ بھی امام موصوف کی اسی نام کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ مع متن عربی ہے۔ الوصیۃ الکبرےٰ کی طرح یہ بھی نہایت جامع وصیت ہے مگر مختصر ہے۔ اسکا لب لباب تقوےٰ، توبہ، استغفار، مکارم اخلاق، مداومت ذکر، تفقہ فی الدین اور دعا وغیرہ کی تعلیم ہے۔ قابلدید کتاب ہے۔ قیمت صرف - - - ۴/

زیارۃ القبور اردو مع متن عربی اس کتاب میں قرآن اور احادیث کے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ زیارت قبور کا مسنون طریقہ کیا ہے۔ جو لوگ قبروں پر جاکر مُردوں کو پکارتے، اُن سے طرح طرح کی حاجات طلب کرتے، قبروں کی پرستش کرتے اور پیری کی منت مانتے ہیں انکے یہ تمام افعال داخل شرک ہیں۔ الغرض اہل توحید اصحاب اگر قبر پرستی کی بیخ کنی میں کوئی مدلل کتاب چاہتے ہیں تو اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔ پوری خوبی دیکھنے پر منحصر ہے۔ لکھائی چھپائی قابلدید۔ قیمت - - - ۹/

بندگی یہ کتاب امام موصوف کے رسالہ عبودیت کا اردو ترجمہ ہے۔ آیہ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ کی بسوط تفسیر ہے۔ جسمیں عبادت کا ذکر، حقیقت، محبت کے مراتب، محبت فاسدہ اور تعظیم باطل، ہوالکافی اور حسبنا اللہ، عبودیت متعلقہ ربوبیت، حقیقت کونیہ، حقیقت دینیہ، اولیاء اللہ کا غلط مفہوم۔ لفظ "الٰہ" کی تحقیق۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ مسئلہ قضا وقدر، حدیث اِحتجّ آدمُ موسیٰ کی صحیح تعبیر، مسئلہ وحدت وجود اور ابن عربی صاحب فصوص الحکم، حلول اور اتحاد معتزلہ اور جہمیہ، ذوق، وجد اور سماع، شرک خفی، ارباب من دون اللہ، اتباع رسول، اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کا ذکر ہے قیمت عہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ

حضرات! خدا کا شکر ہے کہ ہمارے ہاں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کی تصانیف سے اسوقت تک چھ رسائل کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ جن میں سے پانچواں رسالہ یہی تفسیر المعوذتین یعنی تفسیر سورۂ فلق والناس مع متن عربی چھپکر ہدیہ ناظرین ہے جسمیں لفظ غاسق، وقب، وسواس، رب، الٰہ، اللہ کی مبسوط تفسیر کے علاوہ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ کی تفسیر کرتے ہوئے شیاطین الانس اور شیاطین الجن کے مکر و وسواس پر نہایت جامع اور معقول بحث کی ہے۔ اور چھٹا رسالہ زیارۃ القبور ہے۔ اور وہ بھی چھپ کر شائع ہو گیا ہے۔ ناظرین اُسے بھی ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

اعتذار ترجمہ کا اصلی مقصود تو یہ ہوتا ہے کہ مصنف کے اصلی خیالات کو عوام الناس تک پہنچا دیا جائے، اور جہانتک ممکن ہو انہیں ایسی اچھی صورت میں پیش کیا جائے کہ مصنف کی قابلیت کا صحیح صحیح اندازہ ہو سکے۔ لیکن عموماً ترجمہ کرنا تصنیف سے زیادہ دشوار کام ہوتا ہے اور پھر بھی عبارت میں وہ حسن و خوبی نہیں پیدا ہو سکتی جو مستقل تحریریں ہوتی ہے۔ پھر جناب شیخ الاسلام کی کتابوں کا ترجمہ کرنا خصوصیت کی ساتھ دشوار کام ہے۔ بلند پایہ ادیب ہونیکے علاوہ ان کا خاص طرز تحریر ہے جسکی دشواریوں کو نباہنا آسان کام نہیں مسائل مذہبی کے ہر دو کامل ہونیکے علاوہ انکا دماغ بالکل مجتہدانہ خصوصیات رکھتا ہے اور اپنی اسی خصوصیت کے ساتھ وہ ہر مسئلہ پر قلم اُٹھاتے ہیں اسلئے انکے کسی مضمون کا ترجمہ اور بھی زیادہ دشوار ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ تو قطعی بات ہے کہ ترجمہ کے ذریعہ سے ہم امام موصوف کی اصلی لیاقت کو ظاہر نہیں کر سکتے، بلکہ بہت ممکن ہے کہ کسی مقام پر ترجمہ کی خامیوں کی وجہ سے بعض معمولی سمجھ والے اصحاب امام موصوف کی طرف غلطی اور خطا کو منسوب کرنے لگیں۔ پس ہم ناظرین کرام سے گزارش کر دیتے ہیں کہ جب کبھی شیخ الاسلام کا ترجمہ پڑھیں تو جہاں ادائیگی مطلب میں قصور پائیں اُسے ترجمہ کی خامی تصور فرمائیں اصل کتاب کی۔ اسلئے کہ امام موصوف کا جو رتبہ ہے وہ پہلے سے ہی مسلم ہے اُنکا رتبہ بحال رکھنے کیلئے ہماری نئی کوششوں کی ضرورت نہیں۔

خاکساران ناشران

فہرستِ مضامین تفسیر سورۂ فلق والناس

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
تمہید تفسیر سورہ فلق والناس	۱	بہترین استعاذہ سورہ فلق والناس میں ہے	۲۴
تفسیر سورۂ فلق	۱	وسوسہ یا حدیث نفس کی تقسیم	۲۶
لفظ "غاسق" اور "وقب"	۳	شیطان کے وسوسہ کی اور قسم	۲۶
سورۂ فلق اور سورۂ والناس کے خواص میں فرق	۸	بھول چوک پر مواخذہ نہ ہونے کی دلیل	۲۹
		خواب کی تین قسمیں	۳۱
تفسیر سورۂ والناس	۱۰	شیطانی خیال اور گناہوں کا زنگ	۳۲
وسوسہ ڈالنے والی تین چیزیں ہیں ..	۱۲	تخویف شیطانی	۳۴
فراء نحوی کا قول اور اس کی تزییف ..	۱۳	تثبیت ربانی	"
فراء کے استشہاد کا جواب	۱۴	تثبیت کی دو قسمیں	۳۵
اللہ تعالیٰ کے قول سے لفظ "ناس" کی تحدید	۱۵	لفظ صلوٰۃ کا مفہوم	۳۶
		لفظ صلوٰۃ کے معنی (منسوب الی الملائکہ)	۳۷
زجاج نحوی کا قول اور اس کی تزییف	۱۵	صلوٰۃ کے معنی (منسوب الی اللہ) ..	۳۸
فراء اور زجاج کے قول کی مشترکہ وجہ ضعف	۱۶	القاء فی القلب کے اقسام	۳۹
		الہام اور وسوسہ میں امتیاز	۴۴
قول منصور کی تائید ایک اور وجہ سے	۱۷	وسوسۂ نفس اور وسوسۂ شیطان میں امتیاز	۴۵
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رحمۃ للعالمین ہونا	۲۱	نظر اور استدلال کے بعد جو علم حاصل ہوتا ہے اس کا بیان	۴۸
رب، ملک، الہ، کی تفسیر	۲۳		
رب، ملک، الہ، کو "ناس" کی طرف منسوب کرنے میں حکمت	۲۴	متن عربی سورہ فلق والناس	۴۹ تا ۶۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰہِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔

تفسیر سورۂ فلق والناس

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سنتِ نبویؐ کے مددگار، بدعت کی بیخکنی کرنیوالے شیخ الاسلام تقی الدین ابو العباس حضرت امام احمد بن عبد الحلیم ابن عبد السلام ابن تیمیہ حرانی رحمہ اللہ و رضی عنہ، سورۂ فلق والناس کی اس طرح تفسیر فرماتے ہیں۔ یہ تفسیر منجملہ ان تحریرات کے ہے جو آپ نے قید کے ایام میں قلعہ[1] میں تیار کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں انکے علوم سے نفع دے۔

تفسیر سورۂ فلق

لفظ فلق کی تحقیق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَالِقُ[2] الْحَبِّ وَالنَّوٰی ۱۱ (ترجمہ: اللہ تعالیٰ دانے اور گٹھلی کو

---

[1] یہ قلعہ قاہرہ میں تھا۔

[2] حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں "اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دانوں اور گٹھلیونکو پھوڑ کر دانے سے مختلف قسم کی کھیتیاں اور ہر جنس کے دانے سے اسی جنس کا اناج پیدا کرتا ہے اسی طرح گٹھلیوں سے

پھاڑنے والا ہے۔) اسی آیت میں فرمایا: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَاعِلُ اللَّیْلِ سَکَنًا
(انعام) (ترجمہ: وہی صبح کی پو کو پھاڑنے والا اور آرام کیلئے رات کو بنانے والا ہے) - لفظ "فَلَق" فَعَل کے وزن پر مفعول کے معنیٰ میں ہے۔ تو رَبِّ الْفَلَقِ کے معنی رَبِّ الْمَفْلُوْق ہوئے یعنی ہر اُس چیز کا رب جو پھاڑ کر نکالی گئی ہو، جیسے قبض بمعنی مقبوض آیا ہے یعنی قبض کی ہوئی چیز۔ پس ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ پھاڑ کر نکالتا ہے فلق کہلاتی ہے حسنؒ نے کہا کہ جو چیزیں کسی دوسری چیز کے پھٹنے سے پیدا ہوتی ہیں سب کو فلق کہا جاتا ہے جیسے صبح اور دانہ اور گٹھلی۔ زجاج نے کہا کہ جب انسان حقائق مخلوقات میں تامل کریگا تو معلوم کریگا کہ اکثر اشیاء کا وجود کسی چیز کے پھٹنے سے حاصل ہوتا ہے چنانچہ زمین کے پھٹنے سے روئیدگی، اور بادل کے پھٹنے سے بارش نمودار ہوتی ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ فلق سے مراد صبح ہے۔ اسلئے کہ عرب جب کسی چیز کی فصاحت کی تعریف کرتے ہیں تو بولا کرتے ہیں "هٰذَا اَبْیَنُ مِنْ فَلَقِ الصُّبْحِ وَفَرَقِ الصُّبْحِ" یعنی یہ چیز صبح کی پو پھٹنے سے بھی زیادہ واضح ہے۔ اور بعض مفسرین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱) طرح طرح کے میوے اور پھل نکالتا ہے جنکے رنگ، شکلیں اور ذائقے الگ الگ ہوتے ہیں۔ آگے اسکی خود ہی تفسیر بھی کردی "یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ" یعنی زندہ کھیتی اور درخت کو مُردہ دانہ اور گٹھلی سے جو ایک جماد اور مُردہ بے جان کی مثل ہے، نکال لاتا ہے۔ پھر فرمایا: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ" جسکا مطلب یہ ہے کہ رات کے اندھیرے اور سیاہی کو پھاڑ کر صبح کا اُجالا نمودار کرتا ہے جس سے تمام عالم روشن اور مستنیر ہوجاتا ہے" ان دونوں آیتوں کے لانیسے شیخ الاسلام کی غرض یہ ہے کہ قرآن کے محاورہ میں فلق کے یہی معنیٰ ہیں، قرآن مجید سے استناد کے بعد اہل لغت کے قول سے استشہاد کیا جو آگے مذکور ہے۔

(۱) قراءۃ متعارفہ میں" وَجَعَلَ اللَّیْلَ سَکَنًا " ہے لیکن امام ابوجعفر ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ اسکی قراءۃ میں قاریوں کا اختلاف ہے، اکثر قراء حجاز اور مدینہ اور بعض قراء بصرہ نے جَاعِلُ اللَّیْلِ الف کے ساتھ اسم فاعل کے صیغہ میں پڑھا ہے اَللَّیْلِ اسکا مضاف الیہ ہے اسی واسطے مجرور ہے۔ اور شمس اور قمر منصوب ہیں اسلئے کہ انکا عطف لیل کے محل پر ہے جو اگرچہ لفظاً مجرور لیکن محلاً منصوب ہے اور اکثر قراء نے جَعَلَ اللَّیْلَ ماضی کے صیغہ پر پڑھا ہے۔ الغرض دونوں قراءتیں صحیح ہیں معنی کے رو سے بھی اور نحو کے رو سے بھی

اِسطرف بھی گئے ہیں کہ فلق سے مراد تمام مخلوق ہے۔ باقی رہا یہ کہ بعض مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ فلق جہنم[1] کی ایک وادی یا درخت کا نام ہے یا جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے، تو اس قول کی صحت نہ تو خود لفظ فلق کی دلالت سے ثابت ہو سکتی ہے اور نہ نبی صلعم کی حدیث سے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو اسکے ساتھ خاص کرنے میں کوئی حکمت ہے۔ بخلاف اسکے جب کہا جاتا ہے "خلقت کا رب" یا "ہر اُس چیز کا رب جو پھٹ کر نکلتی ہے" یا "اُس نور کا رب جسے وہ صبح کے وقت بندوں پر ظاہر کرتا ہے" تو ان سب چیزوں میں حکمت ہے کیونکہ انکی طرف منسوب ہونے میں پروردگار کی عظمت[2] ظاہر ہوتی ہے۔ جسکے ساتھ پناہ پکڑی گئی ہے۔ اور جب لفظ فلق بولا جاتا ہے تو اسکے معنی عام بھی کئے جا سکتے ہیں اور خاص بھی، عام[3] خلقت پر اطلاق کئے جانے کے اعتبار سے ہر مخلوق کے شر سے، اور خاص صبح کے نور پر بولے جانے کے لحاظ سے "غاسق" یعنی اندھیرے کے شر سے پناہ پکڑی گئی ہے جب کہ وہ چھا جاتا ہے۔

لفظ "غاسق" اور "وقب"

لفظ "غاسق" کے معنی اندھیرا اسلئے کیا گیا ہے کہ وہ رات پر بھی بولا گیا ہے چنانچہ

---

[1] حافظ ابن کثیرؒ نے یہ معنی نقل کر کے کہا کہ اسکی اسناد غریب ہے اور اسکا مرفوع ہونا یعنی آنحضرت صلعم کا قول ہونا صحیح نہیں، ابن جریرؒ نے کہا ہے کہ پہلا قول کہ فلق سے مراد صبح ہے درست ہے، یہی صحیح ہے اور اسی کو بخاریؒ نے اپنی صحیح میں اختیار کیا۔

[2] یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ رات کی حسی تاریکی کو حسی نور کے ساتھ دُور کرتا ہے اسیطرح جو شخص اسکی پناہ میں آئے وہ اسکی نفسانی ظلمت کو روحانی نور سے زائل کر دیتا ہے۔

[3] یعنی فلق کے معنی عام مخلوق لئے جائیں تو ہر مخلوق کی شرارت سے پناہ مانگی جا سکتی ہے "اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" میں مستعاذ بہ چونکہ ہر مخلوق کا خالق اور تمام کائنات پر متصرف ہے اسلئے مستعاذ منہ "مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" ہے یعنی ہر مخلوق کی شرارت سے پناہ طلب کیگئی۔ اور اگر فلق کے معنی صرف صبح کا نور لیا جائے تو مستعاذ منہ "وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ" ہوگا یعنی صبح کے رب سے اندھیرے کی بدی سے جبکہ وہ تمام عالم کو گھیر لیتا ہے پناہ مانگی گئی چونکہ وہ نور کا رب ہے کہ اندھیرے کو پھاڑ کر صبح کا لے آنا اسی کا کام ہے اور نور کے آنے سے ظلمت اپنی تمام برائیوں سمیت کافور ہو جاتی ہے اسلئے اندھیرے کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔

فرمایا: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ (بنی اسرائیل) (یعنی آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کرو) اکثر مفسرین اور اہل لغت اسی کے قائل ہیں۔ نیز انکا قول ہے کہ "وقب" کے معنی ہیں "دَخَلَ فِیْ کُلِّ شَیْءٍ" تو "مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ" کے معنی ہونگے۔ اندھیرے کی بُرائی سے جبکہ وہ ہر چیز میں داخل ہو جاتا ہے۔ زجاج نے کہا کہ "غاسق" کے معنی بارد یعنی ٹھنڈی چیز ہے۔ رات کو بھی غاسق اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بہ نسبت دن کے زیادہ ٹھنڈی ہوتی ہے۔ ترمذی اور نسائی نے عائشہ رضؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلعم نے چاند کو دیکھا تو فرمایا: یَا عَائِشَۃُ تَعَوَّذِیْ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّہٖ فَاِنَّہُ الْغَاسِقُ اِذَا وَقَبَ" (ترجمہ: اے عائشہؓ! اسکی بدی سے اللہ کی پناہ پکڑ کیونکہ یہی غاسق ہے جب چھپا جاتا ہے) اور ابو ہریرہ رضؓ کی حدیث سے مرفوعًا مروی ہے کہ "اَنَّ الْغَاسِقَ النَّجْمُ" (یعنی غاسق سے مراد ستارہ ہے) ابن زیدؒ نے کہا کہ غاسق ثُریا ہے۔ اور ثُریا جتنا عرصہ غائب رہتی تھی اتنا عرصہ بیماریاں اور طاعون کثرت سے ہونے لگتی تھیں۔ اور بعض لوگوں نے اس مرفوع تفسیر کو جس میں چاند کا ذکر آیا ہے اہل تفسیر کے منافی خیال کیا ہے جسمیں غاسق کے معنی رات بیان کئے گئے ہیں، لہذا انہوں نے مرفوع کو علیحدہ قول ٹھیرایا ہے، پھر انہوں نے "وقوب" کی تفسیر کسوف کے ساتھ کی ہے۔ ابن قتیبہؒ نے کہا کہ بعض لوگ غاسق چاند کو اُس وقت کہتے ہیں، جب گہنا جائے اور سیاہ ہو جائے۔ اور "وقب" کے معنی کرتے ہیں کسوف میں داخل ہوا، لیکن یہ قول ضعیف ہے اسلئے کہ جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُسکا معارضہ کسی دوسرے کے قول کے ساتھ کرنا جائز نہیں۔ اور آپ سوائے حق کے کوئی دوسری بات نہیں کہتے، آپ نے عائشہؓ کو چاند سے، اسکے ظہور کے وقت سے، پناہ مانگنے کی تاکید کی ہے نہ کہ جب وہ کسوف میں داخل ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَا | ترجمہ ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا، پس رات

آيَةَ اللَّيْلِ وَ جَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً۔ (بنی اسرائیل)

کے نشان یعنی اسکی تیز روشنی کو ہم نے مٹا دیا اور دن کے نشان کو روشن بنایا۔

پس چاند رات کی نشانی ہے علیٰ ہذا القیاس ستارے بھی، کہ رات کے وقت طلوع ہوکر دکھلائی دیتے ہیں، تو آنحضرت صلعم کا قمر سے پناہ چاہنے کا حکم دینا گویا رات کی آیت رات کی دلیل اور رات کے نشان سے پناہ مانگنے کا حکم دینا ہے چونکہ دلیل مستلزم مدلول ہوتی ہے، لہذا جب قمر کے شر کا وجود ہوگا تو رات کا شر بھی موجود ہوگا۔ پھر یہ بھی ثابت ہے کہ قمر میں بعض ایسی تاثیرات ہیں، کہ دوسری چیزیں نہیں ہوتیں لہذا قمر کے وجود سے جو شر حاصل ہوتا ہے اُس سے پناہ مانگنا زیادہ قوی[1] ہوگا۔ یہ قول بمنزلہ آپکے اس قول کے ہے جو مسجد نبوی کے بارہ میں آپ نے فرمایا۔ قرآن مجید میں جس مسجد کو مبنی علی التقویٰ کہا گیا ہے وہ یقیناً مسجد قبا[2] ہے۔ باوجود اسکے آپ نے فرمایا: ھُوَ

---

[1] اس توجیہ سے دونو قولونکی تطبیق ہوگئی لیل اور قمر میں منافات نہ رہی۔

[2] مسجد قبا کا واقعہ مسجد ضرار کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ آیت "وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا" سے آخر رکوع تک میں بیان کیا ہے، ان آیات کا سبب نزول یہ ہے کہ مدینہ میں قبیلہ خزرج کا ایک شخص ابو عامر نامی راہب تھا، یہ شخص زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہوگیا تھا، اہل کتاب کے علم سے واقف اور عبادت گذار تھا، قبیلہ خزرج میں اسکی بہت عزت تھی۔ جب آنحضرت صلعم ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لائے، تو اُسکو بھی اسلام کی دعوت دی، اور قرآن سنایا، لیکن اس بدبخت نے اسلام سے انکار کیا، اور سرکشی اور شرارت پر کمر باندھی۔ جب حضور علیہ السلام کے پاس مسلمانوں کی ایک عظیم الشان جماعت اکٹھی ہوگئی اور صدائے اسلام ہر طرف بلند ہوئی اور بدر میں مسلمانوں کو فتح ہوئی تو ابو عامر کو آگ لگ گئی، مدینہ چھوڑ مکہ میں پہنچا اور ہمیشہ قریش کو آنحضرت صلعم سے برسرپیکار ہونے پر آمادہ کرتا رہا، چنانچہ اُحد میں جو مسلمانوں کو تکلیف پہنچی تو اُسی کی شرارت سے پہنچی۔ آخرکار اللہ نے مسلمانونکو فتح دی۔ پھر اُحد کے بعد بھی جب اُسنے روز بروز اسلام کا عروج دیکھا تو ہرقل شاہ روم کے پاس پہنچا، اور رسُول کے مقابلہ کیلئے اس سے مدد چاہی۔ اس نے امید دلائی تو ابو عامر نے منافقین کو خط لکھا کہ "عنقریب میں لشکر لیکر رسُول سے لڑائی کرنے کے لئے آونگا اور فتح ہمیں نصیب ہوگی، اب تم میرے لئے ایک ٹھکانا بناؤ، تاکہ جو شخص میری طرف سے پیغام لیکر آئے وہاں ٹھیرا کرے"، اسپر منافقین نے مسجد قبا کے قریب ایک نہایت مستحکم مسجد بنوائی، جب

مَسْجِدِیْ هٰذَا۔ (یعنی وہ میری مسجد (نبوی) ہے۔ نیز وہ قول بمنزلہ آپکے دوسرے قول کے ہے جو اہلِ کساءؔ کے بارہ میں آپ نے فرمایا: ھٰؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ ١٥ یعنی میرے اہل بیت یہ لوگ ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید کے الفاظ صرف ازواج مطہرات کو شامل ہیں

(حاشیہ بقیہ صفحہ ٥) وہ تیار ہو چکی تو یہ لوگ رسُول کے پاس آئے اور درخواست کی کہ آپ وہاں چلکر نماز پڑھیں، اور ظاہر یہ کیا کہ یہ مسجد ضعیفوں اور بیماروں کیلئے بنائی گئی ہے کہ سردی کی راتوں میں وہاں نماز پڑھ لیا کریں۔ آپ اسوقت تبوک کی طرف جا رہے تھے آپ نے فرمایا: کہ اِسوقت تو میں سفر پر ہوں، واپسی پر جو اللہ کو منظور ہو گا کیا جائیگا۔ جب آپ واپس آئے اور مدینہ سے ایک دن کی مسافت یا اس سے بھی کم رہ گئی تو جبرئیل نازل ہوئے اور منافقین کی ساری قلعی کھولدی۔ اسپر رسول صلعم نے دو صحابی بھیجے جنہوں نے پہنچکر مسجد ضرار کو جلا دیا اور منہدم کردیا۔ اِسوقت یہ آیات اُتریں، ان میں سے ایک آیت یہ ہے "لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ، فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ (سورہ توبہ) (ترجمہ: اس مسجد میں کبھی جا کر کھڑے بھی نہ ہونا، ہاں وہ مسجد جس کی بنیاد شروع سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے آپ کا زیادہ حق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہؤا کرو کیونکہ اسمیں ایسے لوگ ہیں جو خوب صاف ستھرا رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب صاف ستھرا رہنے والونکو پسند کرتا ہے) ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ میں ابو ہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ: یہ آیت اہل قبا کے بارہ میں نازل ہوئی یعنی "فِیْهِ رِجَالٌ الخ" لیکن ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے جو مدینے کے اندر ہے تو ان باتوں میں کوئی منافات نہیں۔

١٥ یہ سورۂ احزاب کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے "اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا" (ترجمہ: اے پیغمبر کے گھر والو! خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے ہر طرح کی گندگی کو دُور کر دے اور تم کو ایسا پاک صاف بنائے جیسا کہ پاک صاف بنانے کا حق ہے)۔ حافظ ابن کثیرؒ نے کہا کہ یہ آیت اس امر پر نص ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اہلِ بیت میں داخل ہیں، کیونکہ آیت کا سبب نزول وہی ہیں اور سبب نزول کو سب سے پہلے دخل ہوتا ہے۔ اور اسکے بعد وہ لوگ بھی داخل ہو سکتے ہیں، جن میں ایسے اوصاف پائے جاتے ہیں، حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول صلعم نے حضرت فاطمہ، علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم پر اپنی کملی پھیلائی اور فرمایا: "ھٰؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ" تو مراد آپ کی یہی ہے کہ یہ لوگ بطریق اولیٰ اہل بیت ہیں۔

بات یہ ہے کہ کسی انسان کو یا کسی دوسری چیز کو جب کسی صفت کے ساتھ مخصوص کر دیا جاتا ہے تو اُسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ صفت بعض دوسری اشیاء میں بھی پائی گئی ہے لیکن اس خاص انسان یا خاص چیز میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ پس جو چیزیں رات میں پائی جاتی ہیں، ان سب میں قمر اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ اس سے پناہ مانگی جائے۔ رات تاریک ہوتی ہے، رات کو شیاطین الانس والجن اس زور شور سے پھیل پڑتے ہیں کہ دن میں اتنا نہیں پھیلتے، اور قسم قسم کی شرارتیں جو رات کے وقت جاری اور رائج ہوتی ہیں، دن میں نہیں ہو سکتیں۔ مثلاً طرح طرح کا کفر، بدکاری، احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی، جادو، چوری، خیانت، بے حیائی کے کام، وغیرہ وغیرہ۔ تو شر ہمیشہ ظلمت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسی لئے تو اللہ نے رات لوگوں کیلئے سکون اور آرام کیلئے بنائی ہے، لیکن شیاطین الانس والجن رات میں شرارت کے وہ کام کرتے ہیں، کہ دن میں ان پر دسترس نہیں پا سکتے، اور ان شرارتوں پر قمر اور دعوتِ قمر کا وسیلہ پکڑتے ہیں، اور قمر اور اسکی عبادت کو ان بدذاتیوں کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں۔ اور ابو معشر (فلکی) بلخی نے ایک کتاب بنائی ہے بنام "مصحف القمر" جسمیں وہ کفریات اور سحریات کی قسم سے ایسی ایسی چیزیں ذکر کرتا ہے کہ ان سے پناہ مانگنی مناسب ہے۔

بالجملہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو عام طور پر تمام خلقت کے شر سے استعاذہ کا حکم دیا، پھر اسکو اندھیرے کے شر کے ساتھ خاص کیا جبکہ وہ چھا جائے اور اسکے چھا جانے کا وقت وہ ہے جبکہ اسکی شرارت زیادہ ہو جاتی ہے، اسکے بعد خاص طور پر سحر اور حسد کا ذکر کیا، کیونکہ سحر ہوتا تو خبیث نفسوں سے ہے لیکن بعض اشیاء کی مدد سے، جیسے گرہوں میں پھونکیں مارنا، اسیطرح حسد بھی ارواح خبیثہ کا کام ہے۔ کبھی آنکھ کے ساتھ نظر لگاتے ہیں، کبھی زبان اور ہاتھ کے ساتھ ایذا دیتے ہیں۔ اور جادو چونکہ عام طور پر عورتوں سے سرزد ہوتا ہے اس لئے سحر[1] کے ضمن میں

---

[1] (حاشیہ بر صفحہ ۸ دیکھو)

"نَفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ" (گرہوں میں پھونکنے والی جادوگر عورتوں) کا ذکر کیا۔ اور حسد چونکہ عادۃً مردوں کے حق میں مردوں سے، اور عورتوں کے حق میں عورتوں سے سرزد ہوتا ہے، یا اسکے برعکس، (اسلئے اسکو کسی خاص صنف کی طرف منسوب نہیں کیا۔)

سورۂ فلق اور سورۂ والنّاس کے خواص میں فرق

بہرحال ارواحِ خبیثہ سے جو شر پیدا ہوتا ہے وہ مردوں کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور عورتوں کی طرف سے بھی۔ شر کی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ شر ہے جو انسان کے دل کے اندر سے نہیں بلکہ خارجی اشیاء سے پیدا ہوتا ہے (جیسے وہ امور جنکا اوپر ذکر آگیا) ان سے پناہ پکڑنے کا حکم تو سورۂ فلق میں بیان ہُوا۔ دوسری قسم وہ شر ہے جو انسان کے قلب کے اندر سے اُٹھتا ہے (جیسے وسواس خنّاس کا شر) تو اس قسم کے شر سے پناہ پکڑنے کا حکم سورۂ والنّاس میں ہُوا۔ کیونکہ وسواس خنّاس ہی کفر، فسوق، عصیان جیسے افعال مذمومہ کا مبدأ ہے۔ غرض سورۂ والنّاس میں ایسی چیزوں کے شر سے استعاذہ کا ارشاد ہے جو انسان کے وجود کے اندر ہی اندر رہکر اُسے نقصان پہنچا رہی ہیں۔ اور امورِ داخلی میں سے نفس بھی ہے تو اس صورت میں ضمناً نفس کے شر سے پناہ پکڑنے کا حکم بھی آگیا، اور چونکہ سورۂ فلق میں ان امور سے استعاذہ سکھایا گیا ہے جو انسان کے قلب اور نفس سے خارج ہیں، یا بالفاظ دیگر عموماً تمام مخلوقات، اور خصوصاً ظلمتِ سحر، حسد کے شر سے، اسلئے اسمیں "بِرَبِّ الْفَلَقِ" کہا گیا اور سورۂ والنّاس میں "بِرَبِّ النَّاسِ" کہا گیا۔ (اسمیں مناسبت یہ ہے) کہ جس ذات کا یہ فعل ہر روز مشاہدہ میں آرہا ہے کہ نور کے ساتھ رات کی ظلمت کو پھاڑ کر صبح نکال دیتا ہے وہ اس امر پر قادر ہے کہ صبح کے

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۷) اس لفظ سے لیکر "وسواس خنّاس کا شر" تک جن الفاظ کا ترجمہ ہے وہ صاف اور مطلب خیز نہیں، بلاشبہ اس عربی عبارت میں قلم ناسخین سے کچھ تصحیف، تحریف، محو و اثبات، تغییر، تبدیل اور تقدیم و تاخیر واقع ہو گئی ہے۔ تاہم خاکسار مترجم نے سباق و سیاق کے لحاظ سے جو شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی مراد معلوم ہوتی تھی ترجمہ میں اسکو واضح کر دیا۔ الفاظ کی پابندی چھوڑ دی، اگر مطلب غلط ہو تو یہ خاکسار کے فہم کا قصور ہوگا۔

نور میں جو چیز ہے اسکی بدولت ظلمت میں جو شر ہے اسکو زائل کر دے' اور جس میں یہ قدرت ہے کہ (اناج اور دیگر نباتات کے) دانے اور (کھجور اور دیگر درختوں کی) گٹھلی کو اُنکے جم کر ٹھوس ہو جانیکے بعد پھوڑ کر اُن سے (سبزہ اور درخت) اُگا دیے وہ اس پر بطریق اولی قادر ہے کہ گرہوں میں پھونکیں مار کر جادو کرنیوالیوں کی گرہوں میں جو شر اور بُرائی ہے اسکو زائل کر دے۔ کیونکہ دانوں اور گٹھلیوں کو پھوڑ کر ان سے سبزہ اور درخت لگا دینا پھونک مارنے والیوں کی گرہوں کے کھول دینے سے بڑا کام ہے۔

علی ہذا القیاس حسد کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی بندے پر اللہ تعالی کا انعام دیکھتا ہے تو تنگیٔ دل اور خبث کی وجہ سے اسکا دل قبض ہو جاتا ہے' اور اُسے شرح صدر نصیب نہیں ہوتی۔ پس فلق کا رب (جو دانہ اور گٹھلی سے روئیدگی اور درخت پیدا کرسکتا اور رات کی ظلمت سے صبح نکال سکتا ہے) اس برائی کو بھی دُور کرسکتا ہے۔ جو حاسد کے انقباض خاطر اور کنجوسی پنے سے حاصل ہو۔

سنت اللہ اس طرح جاری ہے کہ اللہ تعالی جس چیز کو دوسری چیز سے پھاڑ کر نکالتا ہے وہ چیز خیر و برکت کا موجب ہوتی ہے مثلاً وہ "فَالِقُ الْاِصْبَاحِ" ہے' یعنی صبح کے نور کے ساتھ رات کی ظلمت کو پھاڑ دیتا ہے تو وہ روشنی حاصل ہوتی ہے' جس سے لوگوں کو سب کچھ سوجھنے لگ جاتا ہے' اور وہ سراج وہاج ظاہر ہوتا ہے جس کے ساتھ بندگانِ خدا کی صالحِ معاش وابستہ ہے' اسی طرح وہ سبحانہ تعالی "فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی" ہے' یعنی دانوں اور گٹھلیوں کے پھاڑنے سے قسم قسم کے میوہ جات اور انواع و اقسام کے رزق نکالتا ہے جو انسانوں کا اور انکے چارپایوں کا رزق ہوتا ہے۔

اور انسان جلب منفعت کا محتاج ہے یعنی روشنی کی اسکو ضرورت ہے جس سے چیزوں کو دیکھے اور ہدایت پائے؟ اور رزق کا محتاج ہے جسکو کھا کر زندہ رہ سکے۔ اور یہ فلق کے ساتھ حاصل ہے پس وہ رب الفلق جسنے منفعت چیزیں پھاڑ کر وہ اشیاء نکالدیں جنکے ساتھ لوگوں کے منافع وابستہ ہیں اسکی ان چیزوں سے پناہ لی جاتی ہے جو لوگوں کو مضرت

رساں ہیں۔ پس اس استعاذہ کا نتیجہ اور حاصل یہ ہوا کہ اس رب الفلق سے اس امر کی طلب اور درخواست کی جاتی ہے کہ جس بندے پر اُسنے ابتداءمیں احسان اور انعام کیا ہے اب اس سے موذیات اور ضرر رساں چیزونکو ہٹا کر اسپر اپنی نعمت کامل کردے۔

اور ایک چیز کو پھاڑ کر اس سے دوسری چیز نکال کھڑی کرنا اور ایک شے سے اسکی ضد باہر لے آنا اسکی کمالِ قدرت کی دلیل ہے جیسے وہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکال لیتا ہے اور یہ بھی فلق کی ایک قسم ہے۔ پس حاصل یہ ہوا کہ وہ سبحانہ وتعالیٰ ضد موذی کو دفع کرکے ضد نافع کے لے آنے پر قادر ہے۔

تفسیر سُورۃ الناس

اس سورت میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ" اسکی تفسیر میں اہلِ علم کے متعدد اقوال ہیں: ابن جوزی نے صرف ۱ؑ دو قول ذکر کئے ہیں اور تیسرا ذکر نہیں کیا حالانکہ صحیح وہی ہے۔ وہ یہ ہے کہ "لفظ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ" وسواس کا بیان ہے۔ تو تقدیر عبارت یوں ہوگی "اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ" یعنی جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ وہ وسوسہ ڈالنے والا جنوں میں سے ہو خواہ انسانوں میں سے۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ (انعام)	اور اسی طرح ہم نے شیاطین الانس والجن کو ہر نبیؑ کا دشمن بنا دیا تھا کہ دھوکہ دینے کی غرض سے ایک کے کان میں ایک چکنی چپڑی باتیں پھونکتا رہتا تھا۔

ملہ ۱ؑ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی مراد دو قول سے فرا اور زجاج کا قول ہے جنکی خود شیخ نے آگے ذکر کرکے تزییف کی ہے (واللہ اعلم)۔

اور انکے "ایحاء" سے مراد وسوسہ ہے اور وسوسہ ڈالنے والے کیلئے یہ شرط نہیں کہ آنکھوں سے غائب ہو، بلکہ اُسکا مشاہدہ بھی ہو سکتا ہے۔ اسکی دلیل قرآن کے اندر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ۔"

(اعراف)

پھر شیطان نے دونوں (آدم و حوا) کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ انکے پردہ کرنے کی چیزیں جو ان کی نظر سے مخفی تھیں انھیں کھول دکھائے اور ان سے لگا کہنے تمہارے پروردگار نے جو اس درخت کے پھل کھانے سے تم کو منع کیا ہے تو اسکا سبب یہی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو تم دونو فرشتے بن جاؤ یا ہمیشہ ہمیشہ (بہشت میں) رہنے والوں سے بنجاؤ اور ان سے قسمیں کھا کھا کر بیان کیا کہ بلا شبہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ایسا کلام ہے جسکا قائل (ابلیس) جانا پہچانا ہوا ہے، ایسی بات نہیں جو دل میں ڈالی جائے اور معلوم نہ ہو کہ کسکی طرف سے ہے۔ ابلیس وہی تو تھا جسکو حکم دیا گیا تھا کہ آدمؑ کو سجدہ کرے، لیکن اس نے نہ مانا اور شیخی میں آکر اکڑنے لگا، وہ ایسا شخص تو نہیں تھا جسکو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ جانتے ہوں۔ یہ سچ ہے کہ شیطان اور اسکی نسل انسان کو دیکھتی ہے جہاں سے وہ ان کو نہ دیکھ سکیں، لیکن آدمؑ نے تو شیطان کو بچشم خود دیکھا تھا، اور کبھی کبھی شیاطین اور جنّوں کو بہت سے انسان دیکھ بھی لیتے ہیں، تاہم جنّوں میں چھپ جانے اور پوشیدہ ہو جانیکی وہ خاصیت ہے جو انسان کو حاصل نہیں۔

مشاہدۂ شیطان کی دوسری دلیل یہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي

اور جب شیطان نے انکے اعمال انہیں اچھے کر دکھلائے اور کہنے لگا کہ آج لوگوں میں سے تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں اور

جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَيْهِ وَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیٓءٌ مِّنْكُمْ۔ (انفال)

میں تمہارا مددگار ہوں، تو جب دونو گروہ آپس میں آمنے سامنے ہوئے شیطان اُلٹے پاؤں چلتا بنا، اور کہنے لگا میں تم سے بیزار ہوں۔

تفسیر اور سیرت کی کتابوں میں آیا ہے، کہ شیطان ان لوگوں کے پاس بعض آدمیوں کی صورت میں آیا تھا۔ اسی طرح تیسری دلیل یہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (حشر)

جیسے شیطان کی مثال ہے، جب اس نے انسان سے کہا کافر ہو جا، تو جب اس نے کفر اختیار کر لیا کہنے لگا میں تم سے بری ہوں، میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔

وسوسہ ڈالنے والی تین چیزیں ہیں

ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: تَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَيَاطِيْنِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ قُلْتُ اَوَ لِلْاِنْسِ شَيَاطِيْنُ قَالَ نَعَمْ شَرٌّ مِّنْ شَيَاطِيْنِ الْجِنِّ۔ (یعنی انسانوں اور جنوں کے شیطانوں سے اللہ کی پناہ مانگ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلعم کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا "ہاں"، جنوں کے شیطانوں سے بدتر)۔

اور یہ بات بھی ہے کہ نفس کا بھی وسوسہ ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ۔ (ق)

ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو اس کا نفس خیال ڈالتا ہے۔

پس یہ انسان کے نفس کی خود اپنے آپ کو وسوسہ ڈالنے کی صورت ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "حدیث النفس" یعنی دل ہی دل میں نفس کی باتیں۔

صحیحین میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِاُمَّتِیْ عَمَّا حَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَتَكَلَّمْ بِهٖ اَوْ تَعْمَلْ"، یعنی اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کی

ان خیالات سے درگزر کی، جو اندر ہی اندر انکے نفس باتیں کرتے ہیں جبتک انکو زبان سے نہ بولیں یا جبتک انکے مطابق عمل نہ کریں[۵])۔ خلاصہ کلام یہ کہ انسان کے سینے میں وسوسہ ڈالنے والی تین چیزیں ہیں: اوّل اپنا نفس، دوئم شیاطین الجن اور سوئم شیاطین الانس۔ اور آیت "مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ" میں جو وسواس خناس کا لفظ ہے، یہ نہ صرف جن کے وسوسہ کو شامل ہے بلکہ انسانی وسوسہ کی دونو قسموں یعنی اپنے دل کے خیالات اور دوسرے لوگونکے ڈالے ہوئے وسوسہ کو بھی۔ ورنہ محض جن کے وسوسہ سے پناہ مانگنے کے کیا معنی؟ جبکہ اپنے دل اور شیاطین الانس کا وسوسہ بھی اسکے حق میں ویساہی مُضر ہے، بلکہ کبھی جن کے وسوسہ سے بڑھکر مضرت رساں ہوتا ہے۔

فرّاء نحوی کا قول اور اُسکی تزئیف

اوپر بیان ہو چکا کہ لفظ "مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ" یُوَسْوِسُ کا بیان ہے اور یہی صحیح ہے۔ لیکن فرّاء کہتا ہے کہ "صُدُوْرِ النَّاسِ" میں جو نَاسٌ ہے یہ اُسکا بیان ہے اس صورت میں آیت کے معنیٰ یہ کئے جائینگے کہ "اس وسواس خناس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو لوگونکے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے" اور وہ لوگ جنکے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے دو گروہ ہیں، جنّوں کا گروہ اور انسانوں کا گروہ۔ نیز فرّاء کہتا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن کا نام ناس رکھا (یعنی ناس کے مسمّیٰ میں دونوں فریق جن اور انسان داخل ہیں) جیسے (سورۂ جن کی آیت "وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ" میں) ان کا نام رجالٌ رکھا اور اسی سورہ کی دوسری آیت "قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ" میں اور سورہ احقاف کی آیت "وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ" میں) ان کا

[۵] یعنی محض دل کے خیالات پر مؤاخذہ نہیں، ہاں اگر ان بیہودہ خیالات کو زبان پر لے آئیں یا ناجائز خیالات کو عمل کا جامہ پہنادیں تب ان پر بولنے اور عمل کرنیکی وجہ سے مؤاخذہ ہوگا۔

نام نفرٌ رکھا۔ لیکن فراء کا قول ضعیف ہے۔ ضعف کی پہلی وجہ یہ ہے کہ " ناسُ " کا لفظ اس سے بڑھکر ظاہر اور مشہور و معروف ہے کہ (فراء کے کہنے سے) جن اور انس کی طرف تقسیم کیئے جانے کا محتاج ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں " ناسُ " کا لفظ ایک سے زیادہ مقام پر استعمال کیا ہے (جہاں جن اور انس کی طرف اسکی تنویع اور تقسیم کی کوئی صورت نہیں بن سکتی) دوسری وجہ یہ ہے کہ (اگر فراء کا یہ قول صحیح مانا جائے) تو " مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ " وسواس کی صفتِ توضیح اور صفتِ بیان ہوگا۔ یعنی وہ وسواس جسکی صفت یہ ہے کہ (جنوں اور انسانوں) دونوں گروہونکے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے (اور توضیح و بیان ایسی وصف سے ہونا چاہیئے جسکو لوگ جانتے پہچانتے ہوں۔) حالانکہ جنوں کو اسکا وسوسہ ڈالنا لوگونکے نزدیک معروف نہیں۔ اسکی معرفت تو (شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی) خبر سے ہی ہوسکتی ہے اور یہاں کوئی خبر موجود نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو " مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ " فرمایا ہے اسمیں " ناس " کا لفظ عام معنی میں مستعمل ہوکر جنوں اور انسانوں کو شامل کیونکر ہوسکتا ہے، اور یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ کسی شئے کا قسیم (یعنی اسکا مقابل) اُسی شئے کی قسم (یعنی حصہ) ہو۔ فراء " ناس " کو ایک طرف تو جن کا قسیم ٹھیراتا ہے اور دوسری طرف جن کو " ناس " کی ایک قسم بناتا ہے۔ اسکی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے کہ کوئی شخص کہے: " أَكْرِمِ الْعَرَبَ مِنَ الْعَجَمِ وَالْعَرَبِ " (یعنی عرب کی خاطر تواضع کر خواہ وہ عرب عجم سے ہو یا عرب سے) تو کیا کوئی سمجھدار یہ بات کہہ سکتا ہے؟

فراء کے استشہاد کا جواب

رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام " رجال " رکھا، تو اس میں اس امر کی تو کوئی دلیل نہیں کہ ان کا نام " ناس " بھی رکھا جاسکتا ہے، اور اگر تسلیم کرلیا جائے کہ (جنوں کو بھی بعض اوقات " ناس " کہا گیا ہے) چنانچہ بولا کرتے ہیں " جَاءَ نَاسٌ مِنَ الْجِنِّ " (یعنی جنوں میں سے کچھ لوگ آئے) تو (اسکا جواب یہ ہے کہ) ایسا بولنا تقیید کے ساتھ جائز ہے (اگر بغیر اس قید کے کہا جائے " جَاءَ نَاسٌ " تو صرف انسان مراد ہونگے جن اسمیں شامل نہیں ہوسکینگے) جیسے (تقیید کے

ساتھ) یُوں کہا جا سکتا ہے "اِنْسَانٌ مِّنْ طِیْنٍ وَّ مَآءٍ دَافِقٍ" (یعنی انسان مٹی اور ٹپکنے والے پانی سے پیدا کیا ہوا) لیکن مطلق انسان کا لفظ بول کر طین اور ماء مراد لینا جائز نہیں۔ اور اس (جَآءَ نَاسٌ مِّنَ الْجِنِّ کے جواز) سے یہ لازم نہیں آتا کہ جن مطلق لفظ "ناس" میں بھی داخل ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے قول سے لفظ "ناس" کی تحدید

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا۔ (النساء)	لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو تن واحد (یعنی آدمؑ) سے پیدا کیا اور اسی (ایک جان سے) اسکی بیوی (حوّا) کو پیدا کیا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لفظ "ناس" کے کل افراد آدمؑ اور حوّاء سے پیدا ہوئے ہیں (اور جن آدم اور حوا کی اولاد نہیں) یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جنّوں اور انسانوں دونو گروہوں سے خطاب کرتا ہے اور رسول صلعم بھی دونو جنسوں کی طرف بھیجے گئے ہیں لیکن لفظ "ناس" (انسانوں ہی کے ساتھ خاص ہے) جنوں کو شامل نہیں۔ بلکہ (جنوں کو خطاب کرنے کیلئے) اللہ تعالیٰ (انکا نام صراحتًا لیتا ہے) چنانچہ فرمایا: "یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ" (اے جنوں اور انسانوں کے گروہ)۔

زجاج نحوی کا قول اور اسکی تضعیف

زجاج نے اس آیت کا یوں معنی کیا ہے کہ "وسواس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو جن میں سے ہے اور آدمیوں کے شر سے بھی"۔ لیکن جسطرح فراء کا قول ضعیف ہے اسیطرح زجاج کا قول بھی ضعف سے خالی نہیں، اگرچہ یہ فراء کے قول سے ارجح اور بہتر ہے۔ اسکے ضعف کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جنّوں کا شر تو آدمیوں کے شر سے بہت بڑا اور بدتر ہوتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پناہ مانگنے والا تمام انسانوں کے شر سے تو مطلقًا پناہ مانگے اور جنوں کے شر سے مطلقًا نہ مانگے، مگر بعض جنّوں کے شر سے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وسواس

خناس سوائے جنوں کے دوسری جنس سے نہیں ہو سکتا، تو پھر "مِنَ الْجِنَّةِ" کہنے کی حاجت ہی کیا رہی، اور "مِنَ النَّاسِ" (تو اس قول کے مطابق "الوسواس" پر معطوف ہے اسلئے بیان میں داخل ہی نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کی طرف سے بھی وسوسہ ہوتا ہے) تو اسکی کیا وجہ ہے کہ خاص جنوں کے وسواس سے پناہ مانگی جائے، اور انسانوں کے وسوسہ سے نہ مانگی جائے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جب معطوف سے پہلے دو اسم ہوں تو قریب تر پر عطف کرنا اولی ہوتا ہے، بشرطیکہ وہاں کوئی ایسی دلیل نہ ہو جو بعید پر عطف ڈالنے کی متقاضی ہو، جس طرح ضمیر کا مرجع ٹھیرانا بھی اسی قسم کو اولی ہوتا ہے جو اقرب ہو۔ پس (اس قاعدہ کی بنا پر) "النَّاس" کا عطف "الجِنَّة" پر ڈالنا اولی ٹھیرا بہ نسبت اس کے کہ "الْوَسْوَاس" پر اسکو معطوف ٹھیرایا جائے۔

فراء اور زجاج کے قول کی مشترک وجہ ضعف

اور (سب وجوہ سے قطع نظر ان ہر دو قولوں کی تزییف کیلئے صرف) اتنی ہی بات کافی ہے کہ تمام مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آجتک اس صورت کو پڑھتے آئے ہیں، اور سوائے بعض نحویوں کے اور کسی سے یہ قول منقول نہیں ہوئے، اور صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم اور انکے خالص پیروؤں سے جو اقوال منقول ہیں، ان میں اس قسم کی کوئی بات نہیں پائی جاتی۔ بلکہ ان سے تو وہی قول ثابت ہوتا ہے جس کی تائیدؒ کے درپے ہم ہیں، چنانچہ معمرؒ کی تفسیر میں ہے کہ قتادہ (تابعی مفسر) نے "مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ" کی تفسیر میں کہا کہ جنوں میں بھی بعض شیطان ہوتے ہیں اور انسانوں میں بھی۔ لہذا ہم انسانوں اور جنوں کے شیاطین سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، گویا یہ کہکر قتادہ رح نے یہ بات ثابت کردی کہ شیاطین الانس والجن سے استعاذہ کرنا مقصود و مراد ہے۔

اور ابن وہبؒ نے عبدالرحمان بن زید بن اسلم رح سے "الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ" کی تفسیر میں روایت کی ہے کہ (وَسواس) خناس جو کبھی وسوسہ ڈالتا اور کبھی دبک جاتا ہے۔

لـه اس قول کو شیخ الاسلام رحؒ نے قول منصور کہا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

جنّوں سے بھی ہوتا ہے اور انسانوں سے بھی، تو ابن زیدؒ نے بیان کر دیا کہ وسواس خنّاس (جنّوں اور انسانوں) دونوں جنسوں سے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی مشہور مقولہ ہے کہ "شَیَاطِیْنُ الْاِنْسِ اَشَدُّ عَلَی النَّاسِ مِنْ شَیَاطِیْنِ الْجِنِّ"، (یعنی انسانوں میں جو شیطان ہیں وہ شیاطین الجن کی نسبت لوگوں کے حق میں زیادہ خطرناک ہیں) وجہ یہ کہ جنّی شیطان تو (چھپ کر) وسوسہ ڈالتا ہے، اسے کوئی دیکھ نہیں سکتا (لہٰذا اسکا اثر کم ہوتا ہے) اور شیطان الانس کھلم کھلا آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے (اور گمراہی پر مجبور کرتا ہے)۔

اور ابن جریجؒ (تابعی) سے منقول ہے کہ وسواس ڈالنے والے دو گروہ ہیں: جنّوں کے گروہ میں سے جو وسوسہ ڈالتا ہے وہ تو وہی ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے خنّاس کہا کہا ہے، اور جو وسواس خود (گروہ) انسان سے ہے اسکا بیان اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے "وَالنَّاسِ"۔ اور یہ تیسرا قول اگرچہ زجاج کے قول کے مشابہ ہے لیکن اس سے بہتر اور احسن ہے، کیونکہ اس نے "مِنَ النَّاسِ" کو جو خود نفسِ انسان ہے، "وَسْوَاسِ" میں سے ٹھیرایا ہے، پس اسکا معنی زجاج کے قول سے احسن ہے۔ ان تینوں قولوں کو ابن ابی حاتمؒ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

قولِ منصور کی تائید ایک اور وجہ سے

نیز یہ بھی بات ہے کہ (سورہ کی ابتدائی تین) آیتوں میں (اللہ تعالیٰ کی تین صفتوں کا) مذکور ہے (۱) رَبِّ النَّاسِ۔ (۲) مَلِكِ النَّاسِ (۳) اِلٰهِ النَّاسِ۔ پس اگر مقصود یہ ہو کہ لوگ اپنے رب، اور اپنے بادشاہ اور اپنے معبود کی تمام ان چیزوں کے شر سے پناہ لیں جو اُسکے سینوں میں وسوسے ڈالے (تو بالکل صحیح ہے) کیونکہ وہی ذات ہے جس سے ہر خیر اور بھلائی، جو لوگوں کے حق میں نافع ہے طلب کی جاتی ہے، اور اسی سے دفع شر کی درخواست کی جاتی ہے جو انکو مُضر ہے، اور وسواس ہی تو ہر بدی اور شر کی اصل ہے جو لوگوں کے حق میں ضرر رساں ہے، کیونکہ کفر اور فسوق اور عصیان کا مبدا اور منشا صرف وہی (وسواس ہی) ہے۔ باقی رہیں وہ عقوبات جو رب کی طرف سے نازل ہوتی ہیں،

تووہ تو بندوں کے اپنے گناہوں کی سزائیں ہیں۔ اور جب کسی بندہ سے کوئی گناہ سرزد نہ ہؤا ہو، تو جو مصیبت اسکو پہنچیگی وہ اسکے حق میں سراسر نعمت ہوگی۔ اور جب کوئی شخص کسی ایسی چیز میں مبتلا ہوجائے جو اسکو المناک کردے تو اللہ تعالیٰ اسکی وجہ سے اسکا درجہ بلند کردیگا اور اسکو اجر دیگا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ فرض کرلیا جائے کہ مطلقاً اس سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہؤا، لیکن واقع اسکے خلاف ہے کیونکہ (حدیث میں وارد ہے) کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ خَطَّآءٌ وَخَیْرُ الْخَطَّآئِیْنَ التَّوَّابُوْنَ" (یعنی سب بنی آدم خطا کار ہیں اور خطا کاروں میں بہترین لوگ وہ ہیں جو کثرت سے توبہ کرنے والے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ۔ (احزاب)	انسان نے امانت (احکام شریعت کی بجاآوری کی ذمہ داری) کو اُٹھالیا، اسمیں شک نہیں کہ وہ بڑا ہی ظالم اور ظالم ہونیکے علاوہ) بڑا ہی نادان تھا۔ (اور اس امانت کے اٹھانے کا انجام یہ ہوگا) کہ اللہ تو منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتونکو عذاب

دے، اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں پر رحمت سے) رجوع کرے (یعنی وہ توبہ کریں اور اللہ تعالےٰ قبول کرے)۔

پس مومنین کی غایت یہی ہے کہ توبہ کریں خواہ نبیؑ ہوں یا نبیوں سے کم درجہ کے مومن۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ (بقرہ)	آدم (علیہ السّلام) نے اپنے رب کی طرف سے چند کلمات حاصل کرلئے تو اللہ تعالیٰ نے (اپنی رحمت سے) اسپر رجوع کیا بیشک وہ توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے۔

نیز نوح علیہ السّلام کا مقولہ:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ	عرض کیا اے میرے رب! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ

اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْلِيْ وَتَرْحَمْنِيْ اَكُنْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ - (ہود)	ایسے امر کے بارہ میں تجھ سے سوال کروں جسکے اچھا ہونیکا مجھے علم نہیں، اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور مجھپر رحم نہ کرے تو میں خسارہ پانے والوں سے ہو جاؤنگا۔

ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی دعا اس طرح منقول ہے:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ - (بقرہ)	اور اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا (بندہ) فرمانبردار بنا اور ہماری نسل میں ایک گروہ (پیدا کر) جو تیرا حکم بردار ہو اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے بتا، اور ہمارے قصوروں سے درگزر کر، بیشک تو بڑا ہی درگزر کرنیوالا مہربان ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی دعا اسطرح مذکور ہے انہوں نے کہا:

اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ - (اعراف)	(اے رب) تو ہمارا کارساز ہے ہمیں بخشدے اور ہم پر رحم کر، اور تو تمام رحم کرنیوالوں سے بڑھکر رحم کرنے والا ہے۔

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی دعائیں کثرت سے کی ہیں جو معروف ہیں۔ (خیر یہ تو ضمنی بات ہے، اصل مدعا یہ تھا کہ) ہر بدی اور شر کی جڑ وسواس ہی ہے پس اگر لوگوں نے وسواس کے شر سے اپنے رب، اپنے بادشاہ اور اپنے معبود کی پناہ لی تو اسمیں جن اور انسان دونو کے وسوسے بھی داخل ہوگئے (یعنی ضمناً ان دونو چیزوں سے بھی پناہ مانگ لی) اور سوائے وسوسہ کے جو دوسری بدی انسان سے لوگونکو پہنچتی ہے تو وہ انکی اپنی شامتِ اعمال ہے جو انکے گناہونکی وجہ سے ہوتی ہے۔ اسی طرح سوائے وسوسہ کے جو شرارت جنوں سے واقع ہوتی ہے وہ بھی اسی قسم سے ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس عقوباتِ سماویہ (یعنی جو ناگہانی بلائیں آسمان سے نازل ہو جاتی ہیں وہ بھی گناہونکی سزا ہوتی ہیں۔ اور زجاج کا "والناس" کو "وسواس" پر معطوف ٹھیراکر

یہ تقدیر نکالنا مِنْ شَرِّ النَّاسِ" کیونکر موزون ہو سکتا ہے) حالانکہ استعاذہ کرنیوالوں نے اس سورت میں سورہ فلق کی طرح مخلوقات کے مطلق شر سے پناہ نہیں مانگی، بلکہ اس صورت میں انہوں نے محض اسی شر سے پناہ مانگی ہے جسکا منشأ اور مبدأ انکے نفسوں کے اندر موجود ہے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ "رب الناس، ملک الناس، الٰہ الناس" کا ذکر اسلیئے ہے کہ لوگ اسکے ساتھ پناہ مانگیں، "تاکہ وہ انکو دوسروں سے اور ان سے دوسروں کو، پناہ دے۔ اور یہ استعاذہ دونو باتونکو شامل ہے، ان دونو باتوں کے حصول کی صورت یہ ہے کہ وہ رب، ملک، معبود، اس وسواس کے شر سے پناہ دے جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، کیونکہ بعض لوگونکو بعض پر ظلم کرنے، اور بعض کو بعض کے گمراہ اور بدراہ کرنے، اور گناہ اور تعدی پر ایکدوسرے کی مدد کرنے کا وسوسہ وہی ڈالتا ہے، تو جو بدی اور شرارت کسی انسان کو انسان سے حاصل ہوتی ہے، اسکا مبدأ اور اسکی جڑ وسواس خناس ہی کی طرف ہے۔ ورنہ جو دکھ اور ایذا کسی کو کسی سے حاصل ہوتا ہے۔ جب اسکا مبدأ وسواس نہ ہو، بلکہ وحی ہو جسکے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتونکو بھیجا ہے تو وہ عدل ہوگا۔ مثلاً حدود شرعیہ کا قائم کرنا، اور کافروں سے جہاد کرنا، اور ظالموں سے قصاص لینا۔ ان امور میں اگرچہ ضرور ایذا تو ہے جو ظلم کرنے والے انسانونکو پہنچتی ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی وحی سے ہے۔ وسواس سے نہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکے بندونکے حق میں نعمت ہے۔ یہانتک کہ جسپر عقوبت اور سزا وارد ہوتی ہے اسکے حق میں بھی نعمت ہے، کیونکہ جب اسکو سزا ملگئی تو اگر وہ مومن تھا اسکے حق میں گناہ کا کفارہ ہوتی ہے، اور اگر مومن نہیں تھا تو اسکے لیئے آخرت کے عذاب میں تخفیف کا باعث ہوگی بہ نسبت اس کافر کے جسکو دنیا میں سزا نہیں ملی۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا "رحمۃٌ للعالمین" ہونا

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا لقب رحمۃٌ للعالمین رکھا گیا، کیونکہ مختلف اعتبار سے آپ) تمام جہان کے حق میں رحمت ہیں، باعتبار اس خیر عام کے جو آپکی وجہ سے سب نیک و بد کو حاصل ہوئی، اور باعتبار اس سعادتِ دارین کے جو آپکی برکت سے مومنوں کو دنیا و آخرت میں نصیب ہوئی، اور اس اعتبار سے بھی کہ آپ فی نفسہٖ رحمت ہیں۔ جس نے قبول کر لیا اُسنے تو رحمت پالی اور جسنے قبول نہ کیا وہ اپنے نفس پر خود ظلم کرنیوالا ہے (کہ اُسنے آپکے رحمۃٌ للعالمین ہونے کی قدر نہ کی) اور اس اعتبار سے بھی آپ رحمۃٌ للعالمین ہیں کہ آپ نے کافروں اور منافقوں کا قلع قمع کر کے اُنکی شرارت کو کم کر دیا، اور اسکے علاوہ جو دوسری شرارتیں کیا کرتے تھے اُنکے کرنیسے عاجز ہو گئے۔ اور جن کو ان میں سے قتل کر دیا، تو بہ نسبت کفر میں لمبی عمر پانے کے ان کا جلدی مرنا انکے حق میں بھی اور دوسرے لوگوں کے حق میں بھی بہتر تھا۔ غرضیکہ ہر اعتبار سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم رحمۃٌ للعالمین ٹھیرے۔ لہٰذا (اگرچہ لفظ "ناس" میں ان کا وجود گرامی بھی شامل ہے تاہم) ان سے پناہ نہیں مانگی جا سکتی، اور نہ انکے امثال سے جو دوسرے انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام ہیں اور نہ انکے اتباع سے جو مومنین ہیں۔ اگرچہ یہ بھی انسان ہیں اور اپنے دشمنوں سے وہ سلوک کرتے ہیں جو انکے حق میں ایذا، سزا اور دکھ ہے۔ الغرض انسان سے استعاذہ کرنیکی اور کوئی صورت باقی نہ رہی مگر وہی جو وسواس (خنّاس) کی طرف سے انکے پاس آتی ہے۔ پس اس تقدیر پر ربّ النّاس، ملک النّاس، الٰہ النّاس کی پناہ پکڑی جاتی ہے وسواس کے اس شر سے جسکا وہ خود پناہ مانگنے والے کو اور اس شر سے جسکا باقی لوگونکو وسوسہ ڈالتا ہے، تاکہ انکی طرف سے مستعیذ (پناہ پکڑنے والے) کو کوئی بدی نہ پہنچے۔ پس جب لوگوں کیلئے اور کوئی شر نہ رہا سوائے اسکے جو وسواس کی طرف سے حاصل ہوتا ہے تو اس شخص کے شر سے پناہ مانگنا جو وسوسے ڈالتا ہے عین مقصود کا حاصل کرنا اور مادۂ (فساد) کا جڑ سے کاٹ

دینا اور عدل (و انصاف) کی طرف زیادہ قریب ہونا ہوگا۔ اور یہی امر انبیاء اور اولیاءاللہ کو اس بات سے علیحدہ اور بے تعلق کر دیتا ہے کہ انکے شر سے پناہ مانگی جائے، اور اس بات سے الگ کر دیتا ہے کہ انکو وسواس خناس کا قرین سمجھا جائے اور شیاطین کے سلسلہ میں منسلک کر دیا جائے، اور اس طرح تو جنوں کی انسانوں پر فضیلت ثابت ہوگی حالانکہ کوئی عقلمند اس بات کا قائل نہیں۔

سوال

اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ جب سارے کے سارے شر کی اصل اور جڑ وہی ٹھیری جو وسواس خناس سے حاصل ہوتی ہے تو پھر اسکے ذکر کی کیا حاجت رہی کہ انسانوں کے وسوسہ سے پناہ مانگی جائے، کیونکہ ان کا وسوسہ تو جنوں کے وسوسہ کے تابع ہے۔

جواب

وسوسہ کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم تو وسوسہ کی وہ ہے جو جنوں سے حاصل ہوتی ہے، اور ایک قسم وہ ہے جو خود انسانوں کے نفسوں سے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ (ترجمہ پہلے گزر چکا۔)
پس شر دونوں جہتوں سے آتا ہے۔ اور انسانوں میں سے بھی شیطان ہیں جیسے جنوں میں سے۔ اور وسوسہ (جو سین مہملہ سے ہے) اسکا معنی "وَشْوَشَہ" کے معنی کے قریب قریب ہے جو شین معجمہ سے ہے (محاورۂ عرب میں) "فُلَانٌ يُوَشْوِشُ فُلَانًا وَقَدْ وَشْوَشَهٗ" اسوقت بولا جاتا ہے جب کوئی شخص آہستہ سے دوسرے شخص کے کان میں کوئی بات کہدے، اور وسوسہ بہ سین مہملہ بھی قریبًا اسی طرح ہے، اور

---

۵۱ یعنی اگر عام الم اور دکھ جو کسی انسان وغیرہ سے حاصل ہو، سب سے پناہ مانگی جائے اور استعاذہ کو وسوسہ کے ساتھ خاص نہ کیا جائے تو اس سے جنوں کی فضیلت انسانوں پر لازم آتی ہے، کہ جنوں کے تو صرف وسوسہ سے پناہ مانگی جائے اور انسان کے ہر شر سے، اس طرح تو انسان کا ضرر جنوں سے زیادہ ماننا پڑیگا، کہ اسکی ہر بدی پناہ مانگنے کے قابل ہے اور وسواس خناس کا صرف وسوسہ ہی۔ (واللہ اعلم)۔

اسی سے ہے "وَسْوَسَۃُ الْحُلِیِّ" یعنی زیور کی نرم سی آواز۔ لیکن جو سین مہملہ کے ساتھ ہے اسمیں زیادہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔

"ربّ النّاس" کی تفسیر

"ربّ النّاس" وہ ہے جو اپنی قدرت، مشیئت اور تدبیر کے ساتھ لوگونکی تربیت کرتا ہے اور وہی "ربّ العالمین" ہے یعنی تمام جہان اور کُل خلقت کا ربّ، پس تمام مخلوق کا خالق بھی وہی ہے اور لوگ نکے اعمال کا پیدا کرنیوالا بھی وہی ہے۔

"مَلِکِ النّاس" کی تفسیر

اور "ملک النّاس" وہ ہے جو لوگونکو امر ونہی کرتا ہے (بعض کاموں کا حکم دیتا ہے اور بعض کاموں سے منع کرتا ہے) اسلئے کہ بادشاہ کا دستور ہے کہ وہ کلام کے ساتھ تصرف کرتا ہے، جماد (بیجان چیز) کا اسلئے بادشاہ کوئی نہیں ہوتا کہ وہ خطاب کو نہیں سمجھ سکتی۔ لیکن جماد کا مالک[۵] ہوتا ہے، اور "ملک" یعنی بادشاہ اسی چیز کا ہو سکتا ہے جو اسکی بات کو سمجھے۔ اور حیوانات چونکہ آپس میں ایکدوسرے کی بات سمجھ سکتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ نمل میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول نقل فرمایا: "عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ" (یعنی ہمیں پرندونکی بولی سکھائی گئی) ایضًا سورۂ نمل میں فرمایا: "قَالَتْ نَمْلَۃٌ یٰٓاَیُّھَا النَّمْلُ" (یعنی ایک چیونٹی بولی، اے چیونٹیو!) (تو معلوم ہوا کہ حیوانات خطاب کو سمجھتے ہیں) اسلئے ان کا اپنی جنس سے بھی اور غیر جنس سے بھی بادشاہ ہوتا ہے، چنانچہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے بادشاہ تھے۔

"اِلٰہِ النّاس" کی تفسیر

اور "الٰہ" وہ معبود ہے جو (عابد کے) تمام ارادات اور تمام اعمال کا مقصود ہوتا ہے (یعنی عابد جو ارادہ کرتا ہے اس سے مقصود اسی الٰہ کی خوشنودی، اور جو عمل کرتا ہے

---

۵ مالکؔ اور ملِکؔ کی الگ الگ خصوصیات ملاحظہ ہوں۔

اس سے مقصود اسی کی رضا جوئی ہوتی ہے) چنانچہ اس موضوع پر (اسکے مناسب محل میں) شرح و بسط کے ساتھ کلام کیا گیا ہے۔

رب، ملک، الٰہ کو ناس کیطرف منسوب کرنیمیں حکمت

بعض علماء نے کہا ہے کہ خصوصیت[ل] کے ساتھ "ناس" کا ذکر کرنا دو باتوں کیلئے ہے:

(۱) یہ کہ انسان ہی پناہ مانگنے والے ہیں۔ (۲) یہ کہ انہی کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔ ان دونو باتونکو ابن جوزیؒ نے ذکر کیا۔ لیکن اسکی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی (اگر یہ بھی "ناس" کے ذکر کی وجہ ہوتی کہ انکے شر سے پناہ مانگی گئی ہے تو لازم تھا کہ جن کا ذکر بھی ضرور ہوتا) کیونکہ جن کا وسواس بہت بڑا ہے حالانکہ جن کا ذکر نہیں فرمایا۔ اصلی بات یہ ہے کہ "ناس" کو اسلئے ذکر کیا ہے کہ وہی پناہ مانگنے والے ہیں۔ پس وہ اپنے رب کے ساتھ پناہ پکڑتے ہیں جو انکو نگاہ رکھتا ہے، اور اپنے بادشاہ کے ساتھ پناہ پکڑتے ہیں جو انکو امر و نہی کرتا ہے، اور اپنے الٰہ کے ساتھ پناہ پکڑتے ہیں جسکی وہ عبادت کرتے ہیں اُس شخص کے شر سے پناہ مانگتے ہیں جو ان میں اور انکے رب، ملک، الٰہ کی عبادت میں حائل اور آڑ ہو جاتا ہے، اور نیز اس وسواس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں جو لوگوں کے نفسوں میں خود اپنی ذات سے اور جنّوں کی طرف سے حاصل ہوتا ہے، اسلئے کہ ہر بدی اور شر جو ان سے صادر یا ان پر وارد ہوتا ہے اس کی جڑ اور اصل یہی (وسواس ہی) ہے۔

بہترین استعاذہ سورۂ فلق والنّاس میں ہے۔

اس تقریر کے ساتھ بعض وہ خصوصیات واضح ہو گئیں جو اس استعاذہ میں اور اسکے اوپر کے (سورۂ فلق والے) استعاذہ میں موجود ہیں۔ چنانچہ اسکے متعلق نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں بھی آئی ہیں، آپ نے فرمایا: اَنَّهُ لَمْ يَسْتَعِذِ الْمُسْتَعِيذُوْنَ بِمِثْلِهِمَا یعنی پناہ مانگنے والوں نے کبھی کسی چیز کے ساتھ پناہ نہیں پکڑی جو (تاثیر

ل۔ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا رب، ملک اور الٰہ ہے تو صرف برب النّاس کہنے میں کیا حکمت ہے؟

استعاذہ میں) ان دونو سورتونکی مثل ہو، اسلئے کہ ہر کفر اور فسوق اور عصیان کی جڑ اور اصل وسواس ہی ہے۔ پس وہ کل شرور کی اصل ٹھیرا۔ تو جب انسان وسواس کے شرّ سے بچا لیا گیا تو دوزخ اور قبر کے عذاب سے، اور زندگی اور موت اور مسیح دجّال کے فتنے سے بھی بچ رہا، کیونکہ یہ سب عذاب اور فتنے وسواس کی راہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ نیز دنیا اور آخرت میں ہر قسم کے عذاب الٰہی سے محفوظ رہا۔ وجہ یہ کہ انسان کو عذاب تو محض گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے اور گناہونکی اصل وسواس ہی ہے۔ پھر اگر آیت میں مستعیذ کے سوا کسی غیر کا وسوسہ ہو، بایں طور کہ مستعیذ کے قول "مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ" سے مراد اس وسواس سے استعاذہ ہو، جو اسکو خارج سے عارض ہوتا ہے اور اسکے سبب سے لوگوں کو عارض ہوتا ہے پھر بھی وہ انکے ظلم سے بچ رہا۔ اور اگر مستعیذ کی مراد اپنے اندر کا وسوسہ ہو (تو بھی یہی نتیجہ حاصل ہوگا) اسلئے کہ لوگوں کا تسلط اسپر اسکے گناہونکی وجہ ہی سے ہوتا ہے اور گناہوں کا صدور اسکے (اندرونی) وسوسہ سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ۔ (آل عمران)	(۱) کیا جب تم (مسلمانوں) پر (جنگ احد کی شکست کی) مصیبت آپڑی، حالانکہ تم (جنگ بدر میں) اس سے دونی مصیبت (اپنے دشمنوں پر) ڈال چکے ہو تو (بھی) تم لگے کہنے کہ (یہ آفت) کہاں سے (آگئی۔ اے پیغمبرؐ! ان لوگوں سے) کہو کہ یہ تمہارے اپنے (کیئے) سے آئی۔
(۲) وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔ (شوریٰ)	(۲) اور تم پر جو مصیبت پڑتی ہے تو تمہاری اپنی ہی کرتوت سے۔
(۳) مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ۔ (النساء)	(۳) (اے بندے) تجھکو کوئی فائدہ پہنچے تو (سمجھ کہ) اللہ کی طرف سے ہے اور تجھکو کوئی نقصان پہنچے تو (سمجھ کہ) تیری نفس کی طرف سے ہے۔

اور وسواس بات اور کلام کی جنس سے ہے، اسی لئے مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے

قول "مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ" کی تفسیر میں کہا ہے: مَا تُحَدِّثُ بِهٖ نَفْسُهٗ "یعنی نفس کا وسواس وہ ہے جو انسان کا نفس اپنے آپ میں باتیں کرتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِاُمَّتِیْ مَا تَحَدَّثَتْ بِهٖ اَنْفُسُهَا مَا لَمْ تَتَكَلَّمْ بِهٖ اَوْ تَعْمَلْ بِهٖ" (یعنی اللہ تعالیٰ نے میری امت کیلئے ان چیزوں سے درگزر کی جو انکے نفس دل ہی دل میں باتیں کرتے ہیں جب تک وہ باتیں زبان پر نہ لائیں اور اُن پر عمل نہ کریں۔

وسوسہ یا حدیث نفس کی تقسیم

حدیث نفس کی دو قسمیں ہیں: (۱) خبر (۲) انشاء۔ پھر خبر کی دو قسمیں ہیں۔ یا تو گذشتہ واقعہ کی خبر ہوگی یا آئندہ واقع ہونے والے امر کا بیان ہوگا۔ پس گزشتہ خبر تو شیطان انسان کو یاد دلاتا ہے اور آئندہ واقع ہونے والے امر کے متعلق اس سے باتیں کرتا ہے کہ تو فلاں فلاں کام کریگا یا ایسا ایسا کریگا یا اللہ کی تقدیر سے یہ امور واقع ہونگے۔ پس یہی وہ آرزوئیں اور جھوٹے وعدے ہیں (جنکی طرف اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں یَعِدُهُمْ وَیُمَنِّیْهِمْ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا[1] کہکر اشارہ فرمایا) اور انشاء کی تین قسمیں ہیں: (۱) امر (۲) نہی (۳) اباحت (یعنی کسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے کسی کے کرنیسے منع کرتا ہے، کسی کے متعلق کہتا ہے یہ تجھے مباح ہے اس کی پروا نہ کر)۔

شیطان کے وسوسہ کی ایک اور قسم

اور شیطان کبھی تو برائی کی باتوں کا وسوسہ ڈالتا ہے اور کبھی نیک کام کرنا بھلا دیتا ہے اور اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ حدیث نفس میں اسے مشغول کر دیتا ہے اور نیک کام کرنیکا خیال ہی دل سے اتر جاتا ہے۔ نسیان (بھلا دینے) کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے

---

[1] یعنی شیطان ان سے وعدے کرتا اور آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان نے وعدہ کرنا ہی کیا ہے بس صرف دھوکا دیتا ہے۔

فرمایا:

وَاِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (انعام)	یعنی اگر کبھی تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ۔

اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم (یوشع بن نون) نے موسیٰ سے کہا تھا:

فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ وَمَا اَنْسَانِیْهُ اِلَّا الشَّیْطَانُ۔ (کہف)	میں آپ سے مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا اور مجھے سوائے شیطان کے اور کسی نے نہیں بھلایا۔

سورۂ یوسف میں ہے:

فَاَنْسَاهُ الشَّیْطَانُ ذِکْرَ رَبِّهٖ۔	یعنی شیطان نے اسکو اپنے آقا کے پاس اُسکا ذکر کرنا بھلا دیا

اور صحیحین میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا اَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ اَدْبَرَ الشَّیْطَانُ وَلَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰی لَا یَسْمَعَ التَّاْذِیْنَ فَاِذَا قُضِیَ التَّاْذِیْنُ اَقْبَلَ فَاِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوۃِ اَدْبَرَ فَاِذَا قُضِیَ التَّثْوِیْبُ اَقْبَلَ حَتّٰی یَخْطُرَ بَیْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهٖ فَیَقُوْلُ اذْکُرْ کَذَا اذْکُرْ کَذَا لِمَا لَمْ یَذْکُرْ حَتّٰی یَظَلَّ الرَّجُلُ لَمْ یَدْرِ کَمْ صَلّٰی۔	جب مؤذن اذان دیتا ہے تو شیطان پیٹھ کے بل بھاگ جاتا ہے اور زور سے گوز لگاتا ہے تاکہ اذان اُسکے کان میں نہ پہنچے (کیونکہ اذان میں تو اللہ کا ذکر اور توحید ہے اور شیطان کو اس سے تکلیف ہوتی ہے) جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر (اپنے کام وسوسہ ڈالنے کیلئے) آجاتا ہے، پھر جب اقامت ہوتی ہے تو پہلے کی طرح پیٹھ کے بل بھاگ جاتا ہے، جب اقامت بھی ہو چکتی ہے تو پھر آجاتا ہے یہانتک کہ انسان اور اُسکے نفس کے مابین ہو کر جو باتیں اُسے بھولی ہوئی تھیں اُنکے متعلق کہتا ہے

فلاں بات یاد کر، فلاں بات یاد کر، حتی کہ انسان انہی باتوں میں ایسا محو ہو جاتا ہے کہ اسکو خبر تک نہیں رہتی

لہ اس آیت سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ظالموں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کبھی بھول کر انکی مجلس میں شامل ہو بھی جاؤ تو یاد آنے پر فی الفور اُن سے الگ ہو جاؤ۔

کہ کتنی رکعتیں پڑھیں۔

پس شیطان نے انسان کو گزشتہ واقعات یاد دلائے، جو اسکے نفس میں تھے اور جن کے ساتھ آدمی کا نفس باتیں کرتا رہا وہ اُسکے اپنے افعال تھے یا اَور کسی کے۔ تو اِن امور کی وجہ سے آدمی یہ بھول گیا کہ کتنی رکعتیں پڑھیں اور اسے خبر نہ رہی کہ کتنی نماز پڑھی (کتنی باقی رہی) پس نسیان نے انسان کے نفس میں جو یادداشت تھی اُسکو زائل کر دیا اور ذکر چھوڑا کر کسی اور کام میں مشغول کر دیا حتیٰ کہ پہلی بات اُسے بھول گئی۔

باقی رہیں آئندہ واقع ہونیوالی خبریں، جو جھوٹے وعدوں اور باطل آرزوؤں کی قسم سے ہیں تو انکی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ۔ (ابراہیم)

اور جب (آخیر) فیصلہ ہو چکیگا (اور لوگ شیطان کو الزام دینگے) تو شیطان کہیگا کہ خدا نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا (سو اُس نے پورا کیا) اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا مگر میں نے تمہارے ساتھ وعدہ خلافی کی اور تم پر میری کچھ زبردستی تو تھی نہیں، بات تو اتنی ہی تھی کہ میں نے تم کو (اپنی طرف) بلایا اور تم نے میرا کہنا مان لیا تو اب مجھے الزام نہ دو بلکہ اپنے آپ کو الزام دو۔

اس آیت میں شیطان کے امر اور وعدہ کا ذکر کیا ہے۔ نیز فرمایا:

(۱) وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا، يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ، وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ إِلَّا غُرُوْرًا، أُولٰٓئِكَ مَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا۔ (النساء)

(۱) اور جو شخص خدا کے سوا شیطان کو دوست بنائے (اور اسکی پیروی کرے) تو وہ صریح گھاٹے میں آگیا (شیطان) ان کو وعدے دیتا اور انکو امیدیں دلاتا ہے اور شیطان ان سے جو (کچھ بھی) وعدہ کرتا ہے نرا دھوکا ہی ہوتا ہے۔ یہ ہیں جنکا (آخری) ٹھکانا دوزخ ہے اور وہاں سے کہیں بھاگنے نہیں پائینگے

(۲) اَلشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ، وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ - (بقرہ)

(۲) شیطان تم کو تنگدستی کا وعدہ دیتا ہے اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے (قصور ونکی) معافی اور برکت کا تم سے وعدہ فرماتا ہے اور اللہ (بڑی) گنجائش والا (اور سب کے حال سے) واقف ہے۔

اس آیت میں بھی اُسکے امر اور وعدے کا ذکر ہے - اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قبطی کو قتل کر دیا تو کہا "هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ، اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ"۔ (قصص) (یعنی یہ تو (مجھ سے) ایک شیطانی حرکت (سرزد) ہوئی، کچھ شک نہیں کہ شیطان (آدمی کا) دشمن (اور اسکو) کھلم کھلا گمراہ کرنے والا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ اور ابن مسعودؓ اور انکے علاوہ کئی ایک صحابی رضی اللہ عنہم کا دستور تھا کہ جو مسائل اپنے اجتہاد سے بیان کرتے انکے بارہ میں فرمایا کرتے تھے "یہ جواب جو میں نے دیئے ہیں اگر درست ہوں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور غلط ہوں تو میری اور شیطان کی طرف سے ہیں"۔ پس ان حضرات نے ان اعتقادات وغیرہ کو جو خلاف واقع انسان کے جی میں ڈالے جاتے ہیں، شیطان کی طرف منسوب کیا۔ اگرچہ یہ شخص گنہ گار نہیں ہوتا اسلئے کہ اُس نے اپنی پوری طاقت صرف کر دی، جیسے وہ شخص گنہ گار نہیں ہوتا جسکو شیطان کی طرف سے نماز میں وسوسہ پڑے، اور نہ ان خیالات سے گنہ گار ہوتا ہے جو خود نفسِ انسانی سے اسکے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔

بھول چوک پر مؤاخذہ نہ ہونیکی دلیل

اور (اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں) اہلِ ایمان (کا قول نقل فرمایا کہ انہوں) نے کہا "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا"۔ (ترجمہ، اے ہمارے رب! ہم سے مؤاخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے خطا سرزد ہو جائے) اور اللہ تعالیٰ نے (اسکے جواب میں) فرمایا: قَدْ فَعَلْتُ[۵] (یعنی میں نے تمہاری دعا قبول کر لی)

[۵] صحیح حدیث میں ہے کہ جب مومنین نے سورہ بقرہ کی آخری آیت والی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ہر فقرہ کے

اور حق کا بھول جانا اور خطا دونو شیطان کی طرف سے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذَا رَأَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْ آيَاتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ، وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ - (انعام)

اور جب ایسے لوگ کہیں) تمہاری نظر پڑ جائیں جو ہماری آیتوں کا مشغلہ بنا رہے ہوں تو اُن (کے پاس) سے ٹل جاؤ یہانتک کہ ہماری آیتوں کے سوا (دوسری) باتوں میں لگ جائیں، اور اگر شیطان تم کو (ہماری یہ نصیحت کسی وقت) بھلادے تو یاد آئے پیچھے (ایسے) ظالم لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھنا۔

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ نَامَ عَنْ صَلٰوةٍ اَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا، (یعنی جو شخص سو یا رہے اور نماز فوت ہو جائے، یا نماز پڑھنی بھول جائے، تو جب یاد آئے تب ہی پڑھ لے) اور جب آپ اور آپکے صحابہؓ غزوۂ خیبر میں سوئے رہے حتیٰ کہ نماز فوت ہو گئی تو (بیدار ہونیکے بعد) آپنے اپنے صحابہؓ سے فرمایا: اِرْتَحِلُوْا فَاِنَّ هٰذَا مَكَانٌ حَضَرَنَا فِيْهِ شَيْطَانٌ، (یعنی یہاں سے کوچ کرو، کیونکہ یہ ایسا مکان ہے کہ اسجگہ شیطان ہمارے ساتھ ساتھ حاضر رہا۔) اور (ایک حدیث میں) آپنے فرمایا: اِنَّ الشَّيْطَانَ اَتٰى بِلَالًا فَجَعَلَ يُهَدِّئُهٗ كَمَا يُهَدَّئُ الصَّبِيُّ حَتّٰى نَامَ، (یعنی شیطان بلالؓ کے پاس آکر اُسکو تھپکی لگانے لگا جیسے بچے کو تھپکی لگا کر (سلاتے) ہیں، یہانتک کہ بلالؓ سو گیا) اور واقعہ یوں ہوا تھا کہ آپ نے بلالؓ کو مقرر کیا تھا کہ فجر کے وقت سب کو جگا دے (تو بلالؓ بھی سو گئے اور کسی کو خبر نہ ہوئی یہانتک کہ دھوپ نکلی اور سب سے پہلے آپ بیدار ہوئے) علیٰ ہذا القیاس نیند اور اونگھ جو مامور بہ سے غافل کر دے وہ بھی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اگرچہ معاف ہے (اسپر کوئی مؤاخذہ نہیں) اسی لئے کہتے ہیں کہ ذکر کی مجلس میں اونگھ آنا شیطان کی طرف سے ہے اور ایسا ہی نیند میں احتلام ہو جانا بھی شیطان کی طرف سے ہے حالانکہ

(حاشیہ بقیہ صفحہ ۲۹) اخیر میں فرمایا: قَدْ فَعَلْتُ، یعنی تمہاری دعائیں نے قبول کی۔

(شریعت میں ثابت ہے کہ) سونے والے پر مؤاخذہ نہیں۔

خواب کی تین قسمیں

صحیحین میں نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: (۱) اللہ کی طرف سے دکھلاوا۔ (۲) شیطان کی طرف سے دکھلاوا۔ (۳) بیداری میں جو خیالات انسان کے جی میں ہوتے ہیں وہی خواب میں دیکھتا ہے۔ بعض نے کہا یہ ابن سیرین (تابعی معبّر) کے کلام سے ہے' لیکن خواب کو پہلی دو قسموں پر تقسیم کرنا بلاشبہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے' یعنی وہ خواب جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دکھلائی جائے دوسری وہ جو شیطان کی طرف سے ہو۔ پس (تین قسموں میں سے) یہ اخیر کی دو قسمیں وساوس نفس اور وساوس شیطان سے ہیں اور ان (دو قسموں) پر مواخذہ نہیں، کیونکہ (حدیث میں ہے کہ) سوئے ہوئے سے حساب کا قلم اُٹھا لیا گیا ہے۔ اور شیطان کا وسوسہ دل کو ڈھانپ لیتا ہے جیسے خیال (کا پردہ دل پر آجاتا ہے) تو جو ایمان اسکے ساتھ تھا اسکو بھلا دیتا ہے یہانتک کہ حق سے اندھا ہو کر باطل میں پڑ جاتا ہے' لیکن اگر انسان اس شیطانی خیال میں پھنسنے سے پہلے متقیوں میں سے ہو تو پھر اسکو حق سوجھ جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۔ (اعراف)	جو لوگ پرہیزگار ہیں جب کبھی شیطان کی طرف کا کوئی خیال اُنکو چھُو بھی جاتا ہے تو (فوراً) متنبہ ہو جاتے ہیں اور وہ اُسی دم (راہِ ثواب) دیکھنے لگتے ہیں۔

کیونکہ شیطان کا دستور ہے کہ اپنی طرف سے اُنکو ایسے خیال میں لگا دیتا ہے جو انکے دل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اور شیطانی خیال کبھی لطیف ہوتا ہے اور کبھی کثیف بہرحال وہ دل پر پردہ سا پڑ جاتا ہے جو حق کے دیکھنے سے مانع ہو جاتا ہے۔ نبی صلعم نے فرمایا:

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اَذْنَبَ نُكِتَ فِیْ قَلْبِهٖ نُكْتَةٌ سَوْدَآءُ فَاِنْ تَابَ وَنَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَاِنْ زَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ فَذَالِكَ الرَّانُ الَّذِیْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى (كَلَّا بَلْ سكتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ -)

جس وقت بندہ گناہ کرتا ہے اُسکے دل پر ایک سیاہ داغ لگ جاتا ہے پھر اگر توبہ کرے اور گناہ سے باز آجائے اور استغفار کرے تو اسکا دل صیقل کیا جاتا ہے (صاف اور روشن ہو جاتا ہے) اور اگر (باز نہ آئے اور) زیادہ گناہ کرتا جائے تو وہ داغ بھی بڑھا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ (تمام) دل پر چھا جاتا ہے تو یہی ہے وہ "زنگ" جسکے بارہ میں اللہ تعالےٰ نے (سورۂ تطفیف میں) فرمایا "نہیں نہیں، بلکہ (بات یہ ہے کہ) انکے دلوں پر ان (ہی) کے اعمالِ (بد) کے زنگ[۵] بیٹھ گئے ہیں۔

شیطانی خیال اور گناہوں کا زنگ

لیکن شیطانی خیال اَور ہوتا ہے اور گناہونکی وجہ سے جو زنگ لگ جاتا ہے وہ اَور ہوتا ہے۔ آخر الذکر گناہونکی سزا کے طور پر ہوتا ہے۔ اور "غَیْن" بھی زنگ کی ایک قسم ہے، لیکن اس سے قدرے لطیف اور باریک ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِیْ وَاِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِی الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً "، (یعنی میرے دل پر ہلکا سا پردہ آجاتا ہے اور میں ایک ایک دن میں ستر ستر بار بخشش مانگتا ہوں) پس شیطان تو آدمی کے جی میں بدی کا القا کرتا ہے اور فرشتہ نیکی کا القا کرتا ہے۔ اور صحیح حدیث میں نبی صلعم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ — تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک قرین (ہمنشین)

۵ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے زنگ کے تین درجے ذکر کئے ہیں: (۱) رَیْن وہ پردہ ہے جو کثرتِ گناہ کے سبب کافرونکے دلوں پر چھا جاتا ہے جسکا اس آیت میں مذکور ہے۔ (۲) غَیم، یہ وہ پردہ ہے جو نیک لوگونکے دلوں پر آجاتا ہے۔ اور (۳) غَین وہ جو مقربین کے دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔

وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَقَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ قَالُوْا وَاِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ وَاِيَّايَ اِلَّآ اَنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ۔

فرشتوں میں سے مسلط کیا گیا ہے اور ایک قرین جنّوں میں سے، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپکے ساتھ بھی (ہر دو قرین مقرر کئے گئے ہیں) فرمایا میں بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ اُس (قرین جنّی) پر اللہ تعالیٰ نے میری امداد کی ہے تو وہ تابع ہو گیا ہے۔

اور ایک روایت میں ہے "فَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ" (یعنی پس اب وہ سوائے خیر اور نیکی کے اور کسی کام کا مشورہ نہیں دیتا)۔ اور حدیث کی پہلی روایت میں جو "اَسْلَمَ" کا لفظ آیا ہے اسکا معنیٰ ہے کہ مطیع اور فرمانبردار ہو گیا ہے۔ اور سفیانؒ بن عیینہ (تابعی) اسکو "فَاَسْلَمُ" بضم میم روایت کرتے تھے (جسکے معنیٰ ہیں "میں اسکے شر سے سلامت رہتا ہوں"، کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ شیطان اسلام نہیں لاتا۔ لیکن دوسری روایت میں جو آنحضرتؐ کا قول ہے "فَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ" یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اب وہ جن ایسا نہیں رہا کہ بدی کا حکم کرے۔ اور اسکے اسلام سے یہی مراد ہے کہ وہ بدی کا القاء نہیں کرتا۔ یعنی اسلام کا لفظ اُسکی بیچارگی اور ذلّت سے کنایہ ہے، اسکا مطلب یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا (اسکی مثال اسطرح سمجھنی چاہیئے) جیسے ظاہری دشمن پر انسان دباؤ ڈالتا ہے، اور اُسکو قید کر لیتا ہے اور وہ مقہور دشمن جانتا ہے کہ یہ دباؤ ڈالنے والا بُرائی کے مشورہ کو سمجھ لیگا اور اسے قبول کرنا تو بجائے خود، اُلٹا اسپر مجھکو سزا دیگا، تو خیر اندیشی اور دیانتداری کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی مقہوریت اور ذلّت اور بے بسی کی وجہ سے مجبور ہوتا ہے کہ سوائے نیکی اور بھلائی کے اور کوئی مشورہ نہ دے۔ اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِلَّآ اَنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَلَا يَاْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ"

اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اِنَّ لِلْمَلَكِ لَمَّةً وَّ اِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً فَلَمَّةُ الْمَلَكِ اِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ وَلَمَّةُ الشَّيْطَانِ اِيْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيْبٌ بِالْحَقِّ" (یعنی فرشتے کو بھی انسان کے ساتھ ایک قسم کا لگاؤ ہے اور شیطان کو بھی، فرشتے کا لگاؤ تو یہ ہے کہ نیکی کا وعدہ کرتا اور سچ بات کی تصدیق کرتا اور یقین دلاتا ہے، اور شیطان کا لگاؤ یہ ہے کہ بُرائی کا وعدہ دیتا اور حق کو جھٹلاتا ہے)۔

تخویفِ شیطانی

اور اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں) فرمایا ہے: اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاءَهٗ" (یعنی سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں کہ یہ شیطان ہے جو تمہیں اپنے یاران (بد) سے ڈراتا ہے) مراد یہ کہ رعب کے وسوسے تمہارے دلوں میں ڈال کر اپنے یارانِ شر سے تمہیں خوف دلاتا ہے جیسے شیطان انسی بھی یہی کرتا ہے کہ دشمن سے ڈراتا ہے، بُری اور مُوحش خبریں (افواہیں) اُڑا دیتا ہے، اور (مقابلہ پر اُبھار کر مدد کے وقت) ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔

تثبیتِ ربانی

اور اسکے بعینہ برعکس اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

(۱) وَاِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ۔ (انفال)	(اے پیغمبر) یہ وہ وقت تھا کہ تمہارا پروردگار فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مسلمانوں کو جمائے رکھو، میں عنقریب کافروں کے دلوں میں دہشت ڈال دونگا۔
(۲) يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ، (ابراہیم)	(۲) جو لوگ ایمان لائے ہیں اُنکو پکی بات (یعنی کلمۂ توحید) کی برکت سے اللہ دنیا میں بھی ثابت (قدم) رکھتا ہے اور آخرت میں بھی۔

(۳) وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا۔ (بنی اسرائیل)

(۳) (اے پیغمبرؐ) اگر ہم تمہیں ثابت (اور برقرار) نہ رکھتے تو بہت ممکن اور) قریب تھا کہ تم اُنکی طرف کچھ تھوڑا سا جھک پڑتے۔

اور تثبیت کے معنی یہ ہیں کہ انسان کو ایسا استوار اور برقرار کر دیا جائے کہ تذبذب اور شبہ میں نہ رہے۔ اور اسکی صورت یہ ہوتی ہے کہ حق کی تصدیق اور خیر کا وعدہ اسکے دل میں بایں طور القاء کر دیا جائے کہ اسکا اعتقاد پختہ ہو جائے، چنانچہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: لَمَّةُ الْمَلَكِ وَعْدٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ "، پس جب انسان کے قلب میں یہ القاء ہو جاتا ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حق ہے تو اسکی تصدیق کرتا ہے (اسپر یقین کر لیتا ہے) اور جب جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تصدیق کی وجہ سے (کامیابی کا) وعدہ کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر اسکو وثوق ہو جاتا ہے، لہذا برقرار اور استوار ہو جاتا ہے۔

تثبیت کی دو قسمیں

(ایک تثبیت بالقول والکلام، دوسری تثبیت بالفعل) پس یہ (جو اوپر مذکور ہوا) تثبیت بالکلام کی قسم سے ہے، جیسے ایک انسان دوسرے انسان کو جو کسی امر میں متردد اور مضطرب ہو رہا ہے باتوں کے ساتھ مضبوط اور استوار کرتا ہے۔ بایں طور کہ اسکو یقین دلائے کہ تو راستی پر ہے، اور اس سے ایسی تسکین دہ باتیں کرے جن سے اُسکو واضح ہو جائے کہ وہ کامیاب ہوگا، تو ان باتوں کو سُنکر وہ برقرار ہو جاتا ہے۔ اور تثبیت بالفعل کی صورت یہ ہے کہ بیقراری اور اضطراب کے وقت اسکے دل کو برقرار کر دیا جائے تاکہ وہ ٹھہر جائے، چنانچہ کوئی انسان کسی (پھسلتے ہوئے) انسان کو پکڑ رکھے تاکہ اُس کا پاؤں جم جائے۔

اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے:

مَنْ سَاَلَ الْقَضَاءَ وَاسْتَعَانَ عَلَيْهِ | جو شخص قاضی بننے کی درخواست کرے اور اُسپر (دوسروں

وُكِلَ اِلَيْهِ وَمَنْ لَمْ يَسْئَلِ الْقَضَاءَ وَلَمْ يَسْتَعِنْ عَلَيْهِ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْهِ مَلَكًا يُّسَدِّدُهٗ -

کی سفارش وغیرہ سے) امداد چاہے، تو وہ اپنے نفس کے سپرد کر دیا جاتا ہے، اور جو منصب قضاء (حاصل کرنے) کی درخواست نہ کرے اور نہ اُسپر کسی سے امداد چاہے، تو اُسپر اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ نازل کرتا ہے جو اسکو راستی پر رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

الغرض یہ فرشتہ اسکے دل میں تصدیقِ حق اور وعدہ بالخیر کا القاء کرکے اسکو راست بانہ بنا دیتا ہے۔

لفظ صلوٰۃ کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ " (یعنی وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اُسکے فرشتے (بھی) تاکہ (اُسکی برکت سے) خدا تم کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکالکر (ایمان) کی روشنی میں لیجائے)

تو یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہ صلوٰۃ (یعنی اللہ اور فرشتوں کا رحمت بھیجنا) مسلمان بندوں کے تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکلنے کا سبب بنتی ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مومنوں کو ظلمات سے نکالکر روشنی کی طرف لانے کا ذکر کئی ایک آیتوں میں فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيَآؤُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمَاتِ - (آل عمران)

اللہ ایمان والوں کا حامی و مددگار ہے کہ ان کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکالکر (ایمان کی) روشنی میں لاتا ہے اور جو لوگ (دین حق سے) منکر ہیں اُنکے حمایتی شیطان ہیں کہ انکو (ایمان کی) روشنی سے نکال کر (کفر کی) تاریکیوں میں دھکیلتے ہیں۔

اور (سورۂ حدید میں) فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ

وہ (اللہ) وہ ذاتِ پاک ہے جو اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ (حدید)

پر کھلی کھلی نشانیاں نازل کرتا ہے تاکہ (اُنکی وجہ سے) تم کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لائے۔

(۳) كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ۔ (ابراہیم)

(اے پیغمبر) (یہ) کتاب ہے جسکو ہم نے تمہاری طرف اسلئے نازل کیا ہے تاکہ تم (اسکی بدولت) لوگونکو اُنکے رب کے حکم سے اندھیروں سے نور کی طرف نکال لاؤ۔

اور ایک حدیث میں ہے: إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِي النَّاسِ الْخَيْرِ، (یعنی اللہ تعالیٰ اور اُسکے فرشتے لوگونکو نیکی کی تعلیم دینے والے پر رحمت بھیجتے ہیں) اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص نیکی کی تعلیم دے کر لوگونکو تاریکیوں سے نکال کر نور میں لیجاتا ہے۔ اور ہر عمل کی جزاء جنسِ عمل سے ہوتی ہے (لہٰذا اس عمل کے صلہ میں اللہ تعالیٰ اور ملائکہ بھی اسپر رحمت بھیجتے ہیں) اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے بڑھکر اس صلوٰۃ کی کامل تاثیر کے مستحق ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (سورہ احزاب میں) فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ۔

اللہ (تعالیٰ) اور اُس کے فرشتے نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں۔

لفظ صلوٰۃ کے معنی (جب فرشتونکی طرف منسوب ہو)

اور صلوٰۃ (جب فرشتونکی طرف مضاف ہو) تو اُسکے معنی دعا ہوتے ہیں خواہ جملۂ خبریہ متضمن دعا ہو، خواہ دعا کے صیغہ میں سے ہو۔ چنانچہ صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: وَالْمَلٰئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلٰى أَحَدِكُمْ مَّا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ (یعنی جبتک تم سے کوئی اپنی نماز کی جگہ (یعنی مسجد میں) بیٹھا رہے تو فرشتے اُس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں (کہتے ہیں) اے اللہ اسکو بخش، اس پر رحم کر، جبتک اُسکا وضو نہ ٹوٹے (تب تک یہی دعا کرتے رہتے ہیں)۔ تو اس حدیث میں آپ نے بیان فرمادیا

کہ فرشتوں کی صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ وہ یہ دعائیں مانگتے ہیں "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ"۔

صلوٰۃ کے معنی (جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو)

اور اثر میں منقول ہے کہ رب تعالیٰ شانہ، صلوٰۃ بھیجتا ہے، پس فرماتا ہے:

سَبَقَتْ اَوْ غَلَبَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ"، (یعنی میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی (یا یوں فرمایا) میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے) اور یہ اللہ سبحانہ، وتعالیٰ کا کلام ہے جو (لفظاً) خبر اور (معنیً) انشاء (بھی) ہے، اس امر کو متضمن ہے کہ رحمت (الٰہی) غضب پر سبقت لے جاتی ہے اور اس پر غالب آجاتی ہے۔ اور اللہ سبحانہ، و تعالیٰ کی صلوٰۃ کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنے غیر سے دعا کرتا ہو کہ وہ ایسا کرے جس طرح کہ فرشتے اور انکے علاوہ دوسری مخلوقات اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہے، بلکہ اسکے طلب سے مراد یہ ہے کہ وہ حکم کرتا ہے یا فرمان صادر کرتا یا کسی بات کی قسم کھاتا ہے۔ مثلاً یوں کہدینا "لَاَفْعَلَنَّ كَذَا"، (یعنی (مجھے قسم ہے) میں ضرور ایسا کرونگا) اور اُسکا لفظ "کُن" فرمادینا یعنی (جس امر کا وجود میں لانا منظور ہو اُسکو کہدینا) ہوجا، تو وہ (امر فوراً) ہوجاتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے جو "لَاَفْعَلَنَّ كَذَا" فرمایا، تو اسمیں اللہ تعالیٰ قسم کھارہا ہے چنانچہ نیچے کی تمام آیات اس قسم کی نظیریں ہیں:

(۱) لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ ۔ (ص)	مَیں قسم کھاتا ہوں کہ جہنم کو تجھ سے اور تیری پیروی کرنے والوں سے ضرور بھر دونگا۔
(۲) وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (الٓمٓ سجدہ)	میری طرف سے اس بات کا فیصلہ ہوچکا ہے کہ جہنم کو جنوں اور آدمیوں سے ضرور ہی بھر دونگا۔
(۳) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	تم میں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے رہے اُن سے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ انکو ملک کی خلافت ضرور

فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا، (نور)	عطا کریگا جیسے ان لوگونکو خلافت عطا کی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں، اور جس دین کو اُسنے ان کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اسکو اُن کیلئے جما کر رہیگا اور موجودہ خوف و خطر کے بعد انکو امن دیگا۔
(۴) كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي، إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ۔ (مجادلہ)	خدا تو لکھ چکا ہے کہ ہم اور ہمارے پیغمبر ضرور ہی غالب آکر رہینگے۔

مذکورہ بالا تمام آیات میں اللہ تعالیٰ کے ایک وعدہ کا ذکر ہے جسکے ساتھ قسم بھی شامل ہے۔ سورہ مومن کی اس آیت میں محض وعدہ اور خبر ہے:

(۵) إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔	ہم دنیا کی زندگی میں بھی اپنے پیغمبروں اور ایمانداروں کی مدد کرتے ہیں۔ (اور آخرت میں بھی)

قسم اسمیں مذکور نہیں، البتہ یہ مؤکد باللام ہے جسکا جواب قسم بننا ممکن ہے۔

علیٰ ہٰذا القیاس مندرجۂ ذیل آیتوں میں بھی صرف وعدہ ہے بلا قسم اور تاکید:

(۱) وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا۔ (فتح)	اللہ تعالیٰ نے تم سے غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جن پر تم قابو پاؤ گے۔
(۲) وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ۔ (انفال)	اللہ تعالیٰ کا وہ احسان یاد کرو جبکہ وہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک پر تم فتح پاؤ گے۔

اس قسم کے وعدہ بلا قسم اور تاکید کی اور بھی کئی آیتیں ہیں۔

القاء فی القلب کے اقسام

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ[۱] (شوریٰ) (کسی بشر کی یہ شان

[۱] حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "دل میں ڈالنے سے خواب دیکھنا یا الہام کے طور پر دل میں

نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس سے کھلم کھلا کلام کرے، مگر (ہاں اللہ تع کے کلام کرنیکی تین صورتیں ہیں)
(۱) دل میں بات ڈالدینا، (۲) پردہ کے پیچھے سے کلام کرنا، (۳) کوئی فرشتہ بھیجدینا جو
اسکے حکم سے جو وہ چاہے دل میں ڈالدیتا ہے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ بشر کی طرف اللہ تعالیٰ وحی اسطرح کرتا ہے کہ کبھی دل میں القاء کر دیتا ہے اور کبھی کوئی قاصد بھیجدیتا ہے جو اُسے اللہ کے پسند کردہ امر کا القاء کرتا ہے۔ اور یہ قاصد ملائکہ عظام ہیں، ملائکہ جمع ملک کی ہے، ملک کے معنی پیغام لیجانا، اسلیئے کہ اس کلمہ (ملک) کی اصل "مَلْأَكٌ" ہے "مَفْعَلٌ" کے وزن پر۔ لیکن کثرت استعمال سے اسمیں تخفیف کیگئی۔ ہمزہ کی حرکت اسکے ماقبل لام ساکن کی طرف نقل کیگئی اور ہمزہ کو حذف کر دیا گیا۔ اور مَلْأَكٌ "مَأْلُكٌ" سے ماخوذ ہے، اور اس مادہ کے معنی خواہ ہمزہ لام پر مقدم ہو یا لام ہمزہ پر (متقدم ہو) رسالت (پیغام لے جانے) کے ہیں۔ اور اسیطرح "اَلُوكَۃ" بتقدیم ہمزہ برلام (کے معنی بھی پیغام برداری کے ہیں)۔ شاعر نے کہا ؎

اَبْلِغِ النُّعْمَانَ عَنِّیْ مَأْلُكًا
اِنَّہٗ قَدْ طَالَ حَبْسِیْ وَانْتِظَارِیْ

(ترجمہ: نعمان کو میری طرف سے پیغام پہنچا دے کہ میری مدتِ حبس اور انتظار بہت طویل ہو گئی ہے۔)

اسمیں ہمزہ لام پر متقدم ہے (اور اسکے معنی پیغام کے ہیں) لیکن (مَلْأَكٌ جو) مَلَكٌ (کی اصل ہے اس) میں لام ہمزہ پر متقدم ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اشتقاقِ اکبر میں اسکی نظیر ہے "اَدَكَ يَأْدُكُ" اسکا استعمال اُسوقت ہوتا ہے جب (انسان) کلام

حاشیہ بقیہ صفحہ (۱۳۹) کسی علم کا القاء ہونا مراد ہے، اور پسِ پردہ سے یہ مراد ہے کہ انسان آواز سنے اور اسے کوئی چیز دکھائی نہ دے، اور تیسری صورت یہ کہ فرشتہ آدمی کی صورت میں متشکل ہو کر بات کرے۔

لہ مَأْلُكٌ۔ بضم لام بمعنی پیغام۔ اور اس وزن پر اور کوئی لفظ نہیں۔ (منتہی الارب)۔

کرتا (اور گھوڑا) لگام کو (منہ میں) چباتا ہو۔ اور ہمزہ واؤ سے زیادہ قوی ہے۔ اسکے بعد اسکی نظیر اشتقاقِ اوسط میں "اَکَلَ یَاْکُلُ" ہے، اسلیئے کہ کھانیوالا بھی جو غذا پیٹ میں داخل کرتاہے اسکو (منہ میں) چباتا ہے۔

بعینہٖ کلام اور علم بھی ایسی چیز ہے کہ انسان اُسے اپنے اندر لیتا اور اُس سے غذا پاتا ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا "اِنَّ کُلَّ آدِبٍ یُحِبُّ اَنْ تُؤْتٰی مَادُبَتُہٗ وَاِنَّ مَادُبَۃَ اللّٰہِ الْقُرْاٰنُ" (یعنی ہر میزبان پسند کرتا ہے کہ اُسکی ضیافت قبول کی جائے، اور اللہ تعالیٰ کی ضیافت قرآن ہے) "آدِب" کے معنی ہیں مہمانی کرنے والا۔ اور "مَادُبَۃ" (دال پر ضم اور فتح دونو جائز ہیں) کے معنی ضیافت ہیں، جس سے وہ طعام مراد ہوتا ہے جو مہمان کیلئے تیار کیا جائے۔ یہ اثر بیان کرکے عبداللہ ابن مسعود رضؓ نے ثابت کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نازل کردہ کلام سے اپنے بندوں کی ضیافت کی ہے۔ تو کلام اللہ بندوں کے دلوں کی غذا اور اُنکی (روحانی) قوت ہے، اور انسانی دل اُس سے بہت نفع پاتا ہے، کیونکہ جسقدر بدن غذا کا محتاج ہے اُس سے کہیں بڑھکر قلب غذائے روحانی کا محتاج ہے۔

امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "رَبَّانِی" وہ لوگ ہیں جو حکیمانہ اقوال سے لوگوں کو غذا دیتے ہیں اور اُنکی پرورش کرتے ہیں۔ اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[1] "اِنِّیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ" (یعنی میں اپنے رب کے ہاں رات گزارتا ہوں، وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔) اِن دونو باتوں سے معلوم ہوا کہ کلامِ الٰہی روحانی غذا ہے۔

---

[1] یہ حدیث آپ نے اُسوقت فرمائی تھی جب آپ نے صوم وصال (یعنی دو تین دن کے اکٹھے روزہ رکھنے سے) منع فرمایا، صحابہؓ نے عرض کیا آپ تو صوم وصال رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا میری تمہاری حالت یکساں نہیں میں تو اپنے رب کے ہاں رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کھلانا پلانا حسّی مراد نہیں، ورنہ صوم وصال کہاں رہتا؟ اس سے مراد یہی روحانی غذا ہے۔ تو شیخ رحمۃ اللہ کی مراد ثابت ہوگئی کہ کلامِ الٰہی دلوں کی غذا ہے، واللہ اعلم۔ (مترجم عفی عنہ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن سینوں کی بیماریوں کی شفا ہے۔ اور معلوم ہے کہ لوگوں کو دل وبدن کی شفاء سے زیادہ غذا کی حاجت ہوتی ہے، لہٰذا کلامِ الٰہی شفاء سے بڑھکر غذا کا فائدہ دیتا ہے۔

صحیحین میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ لَمَثَلِ غَيْثٍ اَصَابَ اَرْضًا فَكَانَتْ مِنْهَا طَآئِفَةٌ اَمْسَكَتِ الْمَآءَ وَاَنْبَتَتِ الْكَلَاَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيْرَ وَكَانَتْ مِنْهَا طَآئِفَةٌ اَمْسَكَتِ الْمَآءَ فَشَرِبَ النَّاسُ وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَكَانَتْ مِنْهَا طَآئِفَةٌ اِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَآءً وَّلَا تُنْبِتُ كَلَاً فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهٗ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ۔ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَاْسًا وَّلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِيْ اُرْسِلْتُ بِهٖ۔

جو ہدایت اور علم دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے، اُسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک زمین پر مینہ برسا تو کچھ حصّہ تو اُس زمین کا ایسا تھا کہ اُسنے پانی کو جذب کرلیا اور اسمیں کثرت سے روئیدگی اور گھاس پیدا ہوئی، اور کچھ حصّہ اُس زمین کا ایسا تھا کہ (اسمیں سبزہ اُگانے کی صلاحیت تو نہ تھی لیکن) اُس نے پانی روک رکھا جو انسانوں نے خود پیا اور جانوروں اور کھیتوں کو پلایا، اور کچھ حصّہ اُس زمین کا ایسا تھا کہ وہ صرف چٹیل میدان تھی نہ وہاں پانی رُکا اور نہ گھاس اور سبزہ اُگا۔ یہ ظاہری مثال لوگوں کی حقیقتِ حال ہے، بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ کے دین میں سمجھ حاصل کی اور جو ہدایت اور علم اللہ تعالےٰ کے ہاں سے مجھے عطا ہوا اُس سے بہرہ مند ہوئے، زمین کے پہلے دو ٹکڑے اِن لوگوں کی مثال ہیں۔ لیکن بعض لوگوں نے اس (علم وہدایت کی طرف) توجہ ہی نہ کی اور جو ہدایت دیکر مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا اُسے قبول نہ کیا۔ (زمین کا تیسرا حصّہ اس دوسرے فریق کی مثال ہے)

اس حدیث میں آپ نے بتلا دیا کہ جو علم وہدایت آپ لائے ہیں وہ دلوں کے حق میں ایسا ہے جیسے زمین کے حق میں پانی۔ کہ کبھی تو وہ اسے جذب کرکے روئیدگی اُگاتی

ہے اور کبھی سمیٹ کر محفوظ رکھتی ہے اور کبھی نہ سبزہ اُگاتی ہے نہ پانی کو محفوظ رکھتی ہے۔
زمین پانی کو جذب کر کے اُس سے غذا حاصل کرتی ہے تب اس قابل ہوتی ہے کہ اس سے
بہتری اور بھلائی کا عمل یعنی عمدہ پیداوار حاصل کی جائے۔

اِس علم وہدایت کو اللہ تعالیٰ نے روح بھی کہا ہے جسکی بدولت دل زندہ ہو جاتے
ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا، مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا، وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ (شوریٰ)

(اے پیغمبرؐ) ہم نے اپنے حکم سے روح (یعنی یہ تعلیم حکمت) تمہاری طرف وحی کے ذریعے سے بھیجی ہے، تمہیں (پہلے) یہ معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ ہی ایمان (کی حقیقت سمجھتے تھے) مگر ہم نے قرآن کو ایک نور بنایا ہے کہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہتے ہیں اسکے ذریعے سے (دین) کا رستہ دکھا دیتے ہیں تو تم بھی بلاشبہ لوگوں کو سیدھا رستہ بتاتے ہو۔

اور جب یہ ثابت ہو چکا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف القاء کرتا ہے، کبھی
فرشتے کے واسطہ سے ہوتا ہے اور کبھی بلاواسطہ۔ تو یہ مطلقاً سب مومنوں کیلئے عام ہے،
صرف انبیاء اسکے ساتھ مختص نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ، (قصص)

ہم نے موسٰی کی ماں کی طرف وحی کی (الہام اور القاء کیا) کہ موسٰی کو دودھ پلا۔

(حالانکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ نبی نہ تھیں)۔ نیز فرمایا:

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ، قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ (مائدہ)

جب ہم نے حواریین (حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ماننے والوں) کی طرف وحی کی کہ ہم پر اور ہمارے رسولؐ پر ایمان لاؤ، انہوں نے کہا ہم نے مان لیا اور (اے اللہ) تو اس امر پر گواہ رہو کہ ہم تابع مطیع فرمان ہیں۔

اور جب بات یہانتک وسیع ہے کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کی طرف بھی وحی کرتا ہے

چنانچہ سورۂ نحل میں فرمایا:

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ۔	تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی۔

تو انسان کی طرف تو اس وحی کا ثبوت بطریق اولیٰ ہؤا۔ اسی طرح اللہ تعالے نے فرمایا:

وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (حٰم سجدہ)	اور ہر آسمان میں اُسنے انتظام تدبیر کی وحی بھیجی۔

اور فرمایا:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۙ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ (والشمس)	قسم ہے جان کی اور اس ذات کی جسنے اسکو درست بنایا پھر اسکے دل میں اسکی بدکاری اور پرہیزگاری کا الہام بھی کردیا

یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ بدکاری اور پرہیزگاری دونو کا القاء تو اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے' البتہ اوّل الذکر یعنی الہامِ فجور کا ظہور بواسطہ شیطان ہوتا ہے۔ جسے القاء وسواس بھی کہتے ہیں' اور مؤخر الذکر یعنی الہامِ تقویٰ فرشتے کے واسطہ سے ہوتا ہے اور یہ الہام (القاء) وحی ہے۔ اُس شیطان نے تو فجور (اور بدکاری) کا امر کیا' اور اس فرشتہ نے نیکی اور تقویٰ کا حکم کیا۔ اور امر اور حکم دینے کیلئے ضرور ہے کہ اُس کے ساتھ کوئی خبر مقترن ہو۔

الہام اور وسوسہ میں امتیاز

اور اب عرفِ عام یہ قرار پایا ہے کہ لفظ الہام جب مطلق بلا قید بولا جائے تو اُس سے وسوسہ مراد نہیں ہوتا' اور یہ آیت (سورۂ والشمس کی) اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وحیِ الہام اور وسوسہ میں فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس کام کا حکم دیا گیا' اگر خوفِ خدا اور تقویٰ کی جنس سے ہو تو وہ وحیِ الہام ہے' اور اگر فجور اور بدکاری کی قسم سے ہو تو شیطانی وسوسہ ہے۔ پس الہامِ محمود اور وسوسۂ مذمومہ میں فرق کرنیکا ذریعہ کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ ہے۔ جس چیز کا دل میں القاء ہو اگر کتاب اور سنّت اُس امر پر دلالت کرے کہ یہ از قسمِ تقویٰ ہے تو وہ الہامِ محمود

ہوگا اور اگر اس امر پر دلالت کرے کہ وہ از قسمِ فجور ہے تو دسواس مذموم ہوگا۔ اور فرق کرنیکا یہ طریقہ ہر جگہ جاری ہے کہیں اسکا خلاف نہیں ہوتا۔

وسوسۂ نفس اور وسوسۂ شیطان میں امتیاز

اور ابو حازمؒ نے وسوسۂ نفس اور وسوسۂ شیطان میں اسطرح فرق کیا ہے کہ اگر انسان کا نفس اُسکو اپنے لئے پسند نہ کرے تو سمجھ لے کہ شیطان کی طرف سے وسوسہ ڈالا گیا ہے، اُس سے اللہ کی پناہ مانگے۔ اور اگر اُسکا نفس اُسکو اپنے لئے پسند کرے تو وہ نفس کا اپنا وسواس ہے نفس کو اُس سے روکے۔

نظر اور استدلال کے بعد جو علم حاصل ہوتا ہے اُسکا بیان

اُس علم کے بارہ میں جو نظر اور استدلال کے بعد قلب میں حاصل ہوتا ہے متکلمین اور مناظرین نے تین اقوال ذکر کئے ہیں۔ چنانچہ امام ابو حامد غزالیؒ نے اپنی (کتاب) مستصفیٰ وغیرہ میں (۱) جہمیہ اور (۲) قدریہ اور (۳) فلاسفہ کے اقوال ذکر کئے ہیں لیکن اکثر اہلِ کلام صرف دو قول ذکر کیا کرتے ہیں: (۱) جہمیہ کا قول (۲) قدریہ کا قول۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں انہی لوگوں کے اقوال ذکر کرتے ہیں جن کو وہ جانتے پہچانتے ہیں کہ اُنھوں نے اس مسئلہ میں کلام کیا ہے۔ اور وہ اُنکے سوا کسی کو نہیں جانتے۔ اور اصل میں یہ مسئلہ، مسئلۂ قدر کے فروع میں سے ہے۔ کیونکہ جو چیز نفس میں حاصل ہوتی ہے وہ اُسی (نفس ہی) میں پیدا ہوتی ہے تو اُس (علم نظری اور استدلالی) میں بھی قول اسیطرح ہوگا جس طرح اُسکے امثال (باقی حوادث) میں ہے۔ اور جہم اور اُسکے ہمخیال ابوالحسن اشعری اور بہت سے متاخرین جو صفات الٰہی کے مُثبت ہیں اسبات میں اہل سنت ہی کی طرح عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنیوالا ہے اور بندوں کے افعال کا پیدا کرنیوالا بھی وہی ہے لیکن وہ (جہم اور اُسکے موافقین) سببِ اور قدرت مؤثرہ کو ثابت نہیں کرتے اور نہ وہ فعلِ رب تعالیٰ کی حکمت کے قائل ہیں۔ پس ان لوگوں نے قویٰ اور طبائع جیسے امورِ خارجی اور

افعال کے اسباب وحِکَم کا انکار کر دیا، یہی وجہ ہے کہ وہ کسی شئے کا سبب نہیں مانتے، بلکہ کہتے ہیں کہ موجودات کا ظہور اللہ تعالیٰ کی خلق اور قدرت سے حاصل ہے اسباب کو ان میں دخل نہیں۔ (اسمیں شک نہیں کہ اللہ کی قدرت کی طرف منسوب کرنے اور اُسکے ماننے میں تو یہ سچے ہیں برخلاف قدریہ کے (کہ وہ اسکے منکر ہیں) لیکن پوری پوری معرفت تو اسباب کے ثابت کرنے اور انہیں تسلیم کرنے میں ہے۔

لیکن معتزلہ وغیرہ قدریہ نے اس بات کی بنا اپنے اصول پر رکھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ بندے کے فعل سے پیدا ہو، وہ اُسی کا فعل ہے اُسکے غیر کی طرف نسبت نہیں کیا جا سکتا جیسے (طعام کھانے کے بعد) سیر ہو جانا، اور (پانی پینے سے) سیراب ہوجانا، اور (ہتھیار چلانے کے بعد) روح کا نکل جانا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ یہ علم بندہ کی نظر اور استدلال سے پیدا ہوا یا استدلال کے تذکر اور استحضار سے۔

اور فلاسفہ نے اسکی بنا اپنے قاعدہ پر رکھی ہے کہ جو صُوَر (ذہنیہ نفس میں) حادث ہوتی ہیں وہ عقلِ فعّال کے فیض سے ہیں بشرطیکہ موادِ قابلہ میں استعداد موجود ہو۔ اس بنا پر انہوں نے کہا کہ یہ علمِ استدلالی مقدمتین کے استحضار کے وقت نفوسِ بشریہ میں عقلِ فعّال کے فیض سے حاصل ہوتا ہے بشرطِ استعدادِ نفس۔ اور یہ قول بالکل غلط ہے، اس سے صحیح تر تو معتزلہ کا ہی قول ہے، اور جہمیہ وغیرہ کا قول ان سب میں اقرب الی الصّواب ہے، لیکن اصل تحقیق کسی قول میں نہیں۔

اور حقیقۃ الامر یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کے ساتھ فرشتے اور شیطان مقرر کر رکھے ہیں جو اُنکے قلوب میں خیر وشر کا القاء کرتے رہتے ہیں۔ پس سچا علم خیر سے حاصل ہوتا ہے اور عقائدِ باطلہ شر سے پیدا ہوتے ہیں، جیساکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا[1]: لَمَّۃُ الْمَلَکِ تَصْدِیْقٌ بِالْحَقِّ وَ لَمَّۃُ الشَّیْطَانِ تَکْذِیْبٌ بِالْحَقِّ، اور جیساکہ نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (قضاء کی درخواست نہ کرنیوالے)

[1] یہ اثر اور اسکا ترجمہ اوپر مذکور ہو چکا۔

قاضی کے بارہ میں فرمایا[۱]: "اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْہِ مَلَکًا یُسَدِّدُہٗ"، اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ فرشتے بشر کی طرف وحی (القاء) کرتے ہیں، اگرچہ بشر کو شعور نہیں ہوتا کہ یہ فرشتے کا القاء ہے جس طرح کہ اُسے وسوسہ ڈالنے والے شیطان کا شعور نہیں ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ بشر سے کلام کرتا ہے، کبھی وحی (القاء) کے طور پر اور کبھی فرشتہ کے ذریعہ سے کہ وہ (فرشتہ) بحکمِ الٰہی جو اللہ کی مرضی ہوتی ہے اُسکا القاء کرتا ہے، اور کبھی تیسرے طریق سے جو پردے کے پیچھے سے ہوتی ہے۔ اور بعض مفسرین نے کہا کہ وحی سے یہاں مُراد وہ ہے جو خواب میں القاء ہوتا ہے، اور ابن جوزیؒ نے اسکے سوا اور کوئی قول ذکر نہیں کیا لیکن فی الواقع بات اِس طرح نہیں، کیونکہ خواب کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے کبھی نفس کی طرف سے، اور کبھی شیطان کی طرف سے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جو کچھ بیداری میں القاء ہوتا ہے (اُسکی بھی یہی تین قسمیں ہیں) اور انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام بیداری اور خواب دونو حالتوں میں معصوم ہیں، اِسی لئے انبیاء کا خواب وحی کے شمار میں ہے چنانچہ ابن عباسؓ اور عبید بن عمیرؓ کا یہی قول ہے، عبیدؓ نے اپنے قول کی تائید میں یہ آیت پڑھی "اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ" (والصافات) (یعنی میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں) لیکن ہر شخص کا خواب وحی نہیں۔ اسی طرح ہر شخص کے دل میں جو بات القاء کی جائے وہ وحی نہیں ہو سکتی۔ اور کبھی انسان کا نفس حالتِ بیداری میں بہ نسبت حالتِ نیند کے زیادہ کامل ہوتا ہے مثلاً نماز پڑھنے والا جب اپنے رب سے مناجات کر رہا ہو، تو جس صورت میں نیند کی حالت میں انسان کی طرف وحی ہونا ممکن اور جائز ہے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حالتِ بیداری میں وحی ناممکن ہو؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی والدہ اور حواریین (حضرت عیسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے متبعین) اور شہد کی مکھی کی طرف وحی

---

[۱] یہ حدیث بھی مع ترجمہ اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

کی گئی، لیکن یہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ حالتِ بیداری یا نیند میں اُس کے
نفس پر القاء ہو اُسے مطلقاً وحی کہہ دے۔ ہاں اگر کوئی دلیل اُسکے
وحی (من جانب اللہ) ہونے کی ہو، تو مضائقہ نہیں۔
اسکی وجہ یہ ہے کہ (آجکل) وسواس
لوگوں پر غالب ہے۔
وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

تمام شد

متن تفسیر المعوذتین

لشیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

قال شیخ الاسلام ناصر السنة قامع البدعة تقی الدین احمد بن تیمیة نفعنا الله بعلومه وهو مما کتبه فی القلعة

(فصل) فی قل اعوذ برب الفلق قال تعالی فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى و قال تعالی فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَاعِلُ اللَّيْلِ سَكَنًا والفلق فعل بمعنی مفعول کالقبض بمعنی المقبوض فکل ما فلقه الرب فهو فلق قال الحسن الفلق کل ما انفلق عن شیٔ کالصبح والحب والنوی قال الزجاج واذا تاملت الخلق بان لک ان اکثره عن انفلاق کالارض بالنبات والسحاب بالمطر، وقد قال کثیر من المفسرین الفلق الصبح فانه یقال هذا ابین من فلق الصبح و فرق الصبح وقال بعضهم الفلق الخلق کله واما من قال انه واد فی جهنم او شجرة فی جهنم او انه اسم من اسماء جهنم فهذا امر لا تعرف صحته لا بدلالة الاسم علیه ولا بنقل من النبی صلی الله علیه وسلم ولا فی تخصیص ربوبیته بذلک حکمة بخلاف ما اذا قال رب الخلق او رب کل ما انفلق او رب النور الذی یظهره علی العباد بالنهار فان فی تخصیص هذا بالذکر ما یظهر به عظمة الرب المستعاذ به واذا قیل الفلق یعم و یخص فبعمومه للخلق استعیذ من شر ما خلق و بخصوصه النور النهاری استعیذ من شر غاسق اذا وقب

فان الغاسق قد فسر بالليل كقوله أَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ اللَّيْلِ وهذا قول اكثر المفسرين واهل اللغة، قالوا ومعنى وقب دخل فى كل شيء قال الزجاج الغاسق البارد وقيل الليل غاسق لانه ابرد من النهار وقد روى الترمذي والنسائى عن عائشة ان النبى صلى الله عليه وسلم نظر الى القمر فقال يا عائشة تعوذى بالله من شره فانه الغاسق اذا وقب، وروى من حديث ابى هريرة مرفوعا ان الغاسق النجم وقال ابن زيد هو الثريا وكانت الاسقام والطواعين تكثر عند وقوعها وترتفع عند طلوعها وهذا المرفوع قد ظن بعض الناس منافاته لمن فسر بالليل فجعلوه قولا آخر ثم فسروا وقوبه لسكونه قال ابن قتيبة ويقال الغاسق القمر اذا كسف واسود ومعنى وقب دخل فى الكسوف وهذا ضعيف فان ما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يعارض بقول غيره وهو لا يقول الا الحق وهو لم يأمر عائشة بالاستعاذة منه عند كسوفه بل مع ظهوره وقد قال الله تعالى وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً، فالقمر آية الليل وكذلك النجوم انما تطلع فترى بالليل فامره بالاستعاذة من ذالك امر بالاستعاذة من آية الليل ودليله وعلامته، والدليل مستلزم للمدلول فاذا كان شر القمر موجودا فشر الليل موجود وللقمر من التاثير ما ليس لغيره فتكون الاستعاذة من الشر الحاصل عنه اقوى ويكون هذا كقوله عن المسجد المؤسس على التقوى هو مسجدى هذا مع ان الاية تتناول مسجد قباء قطعا وكذلك قوله عن اهل الكساء هؤلاء اهل بيتى مع ان القرآن يتناول نساءه فالتخصيص لكون المخصوص اولى بالوصف فالقمر احق ما يكون بالليل بالاستعاذة والليل مظلم منتشر فيه شياطين الانس والجن ما لا تنتشر بالنهار ويجرى فيه من انواع الشر ما لا يجرى بالنهار من انواع الكفر والفسوق والعصيان والسحر والسرقة والخيانة والفواحش وغير ذلك فالشر دائما مقرون بالظلمة ولهذا انما جعله الله لسكون الآدميين

وراحتهم لكن شياطين الانس والجن تفعل فيه من الشر مالا يمكنها فعله بالنهار و يتوسلون بالقمر و بدعوته والقمر وعبادته وابو معشر البلخي له مصنف القمرين ذكر فيه من الكفريات والسحريات ما يناسب الاستعاذة منه -

فذكر سبحانه الاستعاذة من شر الخلق عموما ثم خص الامر بالاستعاذة من شر الغاسق اذا وقب وهو الزمان الذي يعم شره ثم خص بالذكر السحر والحسد، فالسحر يكون من الانفس الخبيثة بكن بالاستعانة بالاشياء كالنفث في العقد، والحسد يكون من الانفس الخبيثة ايضا اما بالعين واما بالظلم باللسان واليد خص من السحر النفاثات في العقد ومن النساء والحاسد الرجال في العادة ويكون من الرجال ومن النساء والنساء و الشر الذي يكون من الانفس الخبيثة من الرجال والنساء وهو شر منفصل عن الانسان ليس هو في قلبه كالوسواس الخناس، وفي سورة الناس ذكر الوسواس الخناس فانه مبدأ الافعال المذمومة من الكفر والفسوق والعصيان فهذا الاستعاذة من شر ما يدخل الانسان من الافعال التي تصدر من الكفر والفسوق والعصيان وقد تضمن ذلك الاستعاذة من شر نفسه وسورة الفلق فيها الاستعاذة من شر المخلوقات عموما وخصوصا ولهذا قيل فيها برب الفلق وقيل في هذه برب الناس فان فالق الاصباح بالنور يزيل بما في نوره من الخير ما في الظلمة من الشر وفالق الحب والنوى بعد انعقادهما يزيل ما في عقد النفاثات فان فلق الحب والنوى اعظم من حل عقد النفاثات وكذلك الحسد هو من ضيق الانسان وشحه لا ينشرح صدره لانعام الله عليه فرب الفلق يزيل ما يحصل بضيق الحاسد وشحه وهو سبحانه لا يفلق شيئا الا بخير فهو فالق الاصباح بالنور الهادي والسراج الوهاج الذي به صلاح العباد وفالق الحب والنوى بانواع الفواكه والاقوات التي هي رزق الناس ودوابهم والانسان محتاج الى جلب المنفعة من الهدى والرزق وهذا حاصل بالفلق والرب الذي فلق للناس ما يحصل به هنا نعم

له من قوله ومن النساء الى قوله الخناس تشويش في العبارة وقد اثبتناه كما صدر في المحرر -

يستعاذ به مما يضر الناس فيطلب منه تمام نعمته بصرف المؤذيات عن عبده الذى ابتدأ بانعامه عليه فلق الشئ عن الشئ هو دليل على تمام القدرة واخراج الشئ من ضده كما يخرج الحى من الميت والميت من الحى وهذا من نوع الفلق فهو سبحانه قادر على دفع الضد المؤذى بالضد النافع ۔

فصل ۔ فى قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ الى آخرها وقوله مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ فيها اقوال ولم يذكر ابن الجوزى رح الاقولين ولم يذكر الثالث وهو الصحيح وهو ان قوله مِنَ الْجِنَّةِ وَ وَالنَّاسِ لبيان الوسواس اى الذى يوسوس من الجنة ومن الناس فى صدور الناس فان الله تعالى قد اخبر انه جعل لكل نبى عدوًا شياطين الانس والجن يوحى بعضهم الى بعض زخرف القول غرورا وايحاؤهم هو وسوستهم وليس من شرط الموسوس ان يكون مستترا عن البصر بل قد يشاهد قال تعالى: فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخَالِدِيْنَ وَقَاسَمَهُمَا اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِيْنَ " وهذا كلام من يعرف قائله ليس شيئا يلقى فى القلب لايدرى ممن وابليس قد امر بالسجود لآدم فابى واستكبر فلم يكن ممن لايعرفه آدم وهو ونسله يرون بنى آدم من حيث لايرونهم واما آدم فقد رآه ۔

وقد يرى الشياطين والجن كثير من الانس لكن لهم من الاجتنان والاستتار ماليس للانس وقد قال تعالى " وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّنْكُمْ " وفى التفسير والسيرة ان الشيطان جاءهم فى صورة بعض الناس وكذالك قوله: " كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّنْكَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ "

وفی حدیث ابی ذرعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ من شیاطین الانس والجن قلت او للانس شیاطین قال نعم شرمن شیاطین الجن ۔

وایضًا فالنفس لہا وسوسۃ کما قال تعالیٰ : وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ " فہذا توسوس بہ نفسہ لنفسہ کما یقال حدیث النفس قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تجاوز لامتی عما حدثت بہ انفسہا مالم تتکلم بہ او تعمل بہ اخرجاہ فی الصحیحین ۔

فالذی یوسوس فی صدور الناس نفسہ وشیاطین الجن وشیاطین الانس ۔

والوسواس الخناس یتناول وسوسۃ الجنۃ و وسوسۃ الانس والا ای معنی للاستعاذۃ من وسوسۃ الجن فقط مع ان وسوسۃ نفسہ وشیاطین الانس ہی مما تضرہ وقد تکون اضر علیہ من وسوسۃ الجن ۔

واما قول الفراء ان المراد من شَرِّ الْوَسْوَاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ الطائفتین من الجن والانس وانہ سمی الجن ناسا کما سماہم رجالا وسماہم نفرا فہذا ضعیف فان لفظ الناس اشہر واظہر واعرف من ان یحتاج الی تنویعہ الی الجن والانس وقد ذکر اللہ تعالیٰ لفظ الناس فی غیر موضع وایضا فکونہ یوسوس فی صدور الطائفتین صفۃ توضیح وبیان دلیس وسوسۃ الجن معروفۃ عند الناس وانما یعرف ہذا بخبر ولا خبر ہنا ثم قد قال من الجنۃ والناس فکیف یکون لفظ الناس عاما للجنۃ والناس وکیف یکون قسیم الشی قسما منہ فہو یجعل الناس قسیم الجن ویجعل الجن نوعا من الناس وہذا کما یقول اکرم العرب من العجم والعرب فہل یقول ہذا احد واذا سماہم اللہ تعالیٰ رجالا لم یکن فی ہذا دلیل علی انہم یسمون ناسا وان قدر انہ یقال جاء ناس من الجن فذلک مع التقیید کما یقال انسان من طین وماء دافق ولا یلزم من ہذا ان یدخلوا فی لفظ الناس وقد قال تعالیٰ : یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَ

خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا » فالناس کلهم مخلوقون من آدم و حواء مع انه سبحانه یخاطب الجن والانس ۔

والرسول صلی الله علیہ وسلم مبعوث الی الجنسین لکن لفظ الناس لم یتناول الجن ولکن یقول یا معشر الجن والانس ۔

وکذالک قول الزجاج ان المعنی من شر الوسواس الذی ھو الجنة ومن شر الناس فیه ضعف وان کان ارجح من الاول لان شر الجن اعظم من شر الانس فکیف یطلق الاستعاذة من جمیع الناس ولا یستعیذ الا من بعض الجن وایضاً فالوسواس الخناس ان لم یکن الا من الجنة فلا حاجة الی قوله من الجنة ومن الناس فلما ذا یخص الاستعاذة من وسواس الجنة دون وسواس لناس ۔

وایضا فانه اذا تقدم المعطوف اسماً کان عطفه علی لقریب اولی کما ان عود الضمیر الی الاقرب اولی اذا کان ھناك دلیل یقتضی العطف علی لبعید فعطف الناس ھنا علی الجنة المقرون به اولی من عطفه علی لوسواس ۔

ویکفی ان المسلمین کلھم یقرؤن ھذه السورة من زمن نبیھم و لم ینقل ھذان القولان الا عن بعض النحاة والاقوال الماثورة عن الصحابة والتابعین لھم باحسان لیس فیھا شئ من ھذا بل انما فیھا القول الذی نصرناه کما فی تفسیر معمر عن قتادة من الجنة والناس قال ان فی الجن شیاطینا وان فی الانس شیاطینا فنعوذ بالله من شیاطین الانس والجن فبین قتادة ان المعنی الاستعاذة من شیاطین الانس والجن ۔

و روی ابن وھب عن عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم فی قوله الوسواس الخناس قال الخناس الذی یوسوس مرة ویخنس مرة من الجن والانس فبین ابن زید ان الوسواس لخناس من الصنفین وکان یقال شیاطین الانس اشد علی الناس من شیاطین الجن شیطان الجن یوسوس ولا تراه وھذا یعاینك معاینة ۔

وعن ابن جريج من الجنة والناس قال انهما وسواسان فوسواس من الجنة فهو الخناس ووسواس من نفس الانسان فهو قوله والناس وهذا القول الثالث وان كان يشبه قول الزجاج فهذا احسن منه فانه جعل من الناس من الوسواس الذى نفس الانسان فمعناه احسن ذكر الثلاثة ابن ابى حاتم فى تفسيره -

وايضًا فانه ذكر فى الاٰية رَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ فان كان المقصود ان يستعين الناس بربهم وملكهم والٰههم من شر ما يوسوس فى صدورهم فانه هو الذى يطلب منه الخير الذى ينفعهم ويطلب منه دفع الشر الذى يضرهم والوسواس اصل كل شر يضرهم لانه مبدء للكفر والفسوق والعصيان وعقوبات الرب انما تكون على ذنوبهم واذا لم يكن لاحدهم ذنب فكل مايصيبه نعمة فى حقه واذا ابتلى بما يؤلمه فان الله يرفع درجته ويأجره اذا قدر عدم الذنوب مطلقًا لكن هذا ليس بواقع منهم فان كل بنى ادم خطأ وخيرا لخطائين التوابون وقد قال تعالىٰ: وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا لِيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنَافِقِيْنَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكَاتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ « لغاية المؤمنين الانبياء فمن دونهم هى التوبة قال الله تعالىٰ : فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ « وقال نوح: رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِىْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِىْ وَتَرْحَمْنِىْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخَاسِرِيْنَ « وقال ابراهيم واسمعيل : رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ « وقال موسىٰ : اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ « ودعاء نبينا بمثل ذالك كثير معروف فكان الوسواس مبدء كل شر فان كانوا قد استعاذوا بربهم وملكهم والٰههم من شره قد دخل فى ذالك وسواس الجن والانس وسائر شر الانس انما يقع بذنوبهم فهو جزاء على اعمالهم

كالشر الذى يقع من الجن بغير الوسواس وكما يحصل من العقوبات السماوية وهم لم يستعيذوا هنا من شر المخلوقات مطلقًا كما استعاذوا فى سورة الفلق بل من الشر الذى يكون مبدؤه فى نفوسهم وان كان ذكر رَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ إِلٰهِ النَّاسِ يستعيذوا به ليعيذهم وليعيذ منهم وهذا اعم المعنيين فذلك يحصل باعاذته من شر الوسواس الموسوس فى صدور الناس فانه هو الذى يوسوس بظلم الناس بعضهم بعضا وباغواء بعضهم بعضا وباعانة بعضهم بعضًا على الاثم والعدوان -

فما حصل لانسى شر من انسى الا كان مبدؤه من الوسواس الخناس والا فما يحصل من اذى بعضهم لبعض اذا لم يكن من الوسواس بل كان من الوحى الذى بعث الله به ملائكته كان عدلا كاقامة الحدود وجهاد الكفار والاقتصاص من الظالمين فهذه الامور فيها ضرر واذى للظالمين من الانس لكن هى بوحى الله لا من الوسواس وهى نعمة من الله فى حق عباده حتى فى حق المعاقب فانه اذا عوقب كان ذلك كفارة له ان كان مؤمنا والا كان تخفيفا لعذابه فى الأخرة بالنسبة الى عذاب من لم يعاقب فى الدنيا -

ولهذا كان محمد صلى الله عليه وسلم رحمة فى حق العالمين باعتبار ما حصل من الخير العام به وما حصل للمومنين به من سعادة الدنيا والأخرة وباعتبار انه فى نفسه رحمة لمن قبلها والا كان هو الظالم لنفسه وباعتبار انه قمع الكفار والمنافقين فنقص شرهم وعجزوا عما كانوا يفعلونه بدونه وقتل من قتل منهم فكان تعجيل موته خيرًا من طول عمره فى الكفر له وللناس فكان محمد صلى الله عليه وسلم رحمة للعالمين بكل اعتبار فلا يستعاذ منه ومن امثاله من الانبياء واتباعهم المومنين وهم من الناس وان كانوا يفعلون باعدائهم ما هو اذى وعقوبة والم لهم فلم تبق الاستعاذة من الناس الا مما يأتى به الوسواس اليهم فيستعاذ برب

به فعل ليستعيذوا

الناس ملك الناس اله الناس على هذا التقدير من شر الوسواس الذى يوسوس للمستعين ومن شر الوسواس الذى يوسوس لسائر الناس حتى لا يحصل منهم شر للمستعين فاذا لم يكن للناس شر الا من الوسواس كان الاستعاذة من شر الذى يوسوس لهم تحصيلا للمقصود وكان حسما للمادة واقرب الى العدل وكان محرجا لانبياء الله واوليائه ان يستعاذ من شرهم وان يقرنوا بالوسواس الخناس ويكون ذالك تفضيلا للجن على الانس وهذا لا يقوله عاقل۔

فان قيل فان كان اصل الشر كله من الوسواس الخناس فلا حاجة الى ذكر الاستعاذة من وسواس الناس فانه تابع لوسواس الجن۔

قيل بل الوسوسة نوعان نوع من الجن ونوع من نفوس الانس كما قال: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۚ فالشر من الجهتين جميعا والانس لهم شياطين كما للجن شياطين والوسوسة من جنس الوشوشة بالشين المعجمة يقال فلان يوشوش فلانا وقد وشوشه اذا حدثه سرا فى اذنه وكذلك الوسوسة ومنه وسوسة الحلى لكن هو بالسين المهملة اخص۔

ورب الناس الذى يربيهم بقدرته ومشيئته وتدبيره وهو رب العالمين كلهم فهو الخالق للجميع ولاعمالهم۔

وملك الناس الذى يأمرهم وينهاهم فان الملك يتصرف بالكلام والجماد لا ملك له فانه لا يعقل الخطاب لكن له مالك وانما يكون الملك لمن يفهم عنه والحيوان يفهم بعضه عن بعض كما قال: وَعُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ ۖ وقَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ۔ فلهذا كان له ملك من جنسه ومن غير جنسه كما كان سليمان ملكهم والاله هو المعبود الذى هو المقصود بالارادات والاعمال كلها كما قد بسط الكلام على ذالك۔

وقد قيل انما خص الناس بالذكر لانهم مستعيذون اولانهم المستعاذ من شرهم ذكرهما ابو الفرج وليس لهما وجه فان وسواس الجن اعظم ولم يذكره

بل ذکر الناس لانهم المستعیذ ون فیستعیذون بربهم الذی یصونهم و یملکهم الذی امرهم ونهاهم و بالههم الذی یعبد ونه من شر الذی یحول بینهم وبین عبادته و یستعیذون ایضًا من شر الوسواس الذی یحصل فی نفوس الناس منهم و من الجنة فانه اصل الشر الذی یصدر منهم والذی یرد علیهم -

فصل

و بهذا یتبین بعض هذه الاستعاذة والتی قبلها کما جاءت بذالك الاحادیث عن النبی صلی الله علیه وسلم انه لم یستعذ المستعیذ ون بمثلهما فان الوسواس اصل کل کفر وفسوق وعصیان فهو اصل الشر کله فمتی وقی الانسان شره وقی عذاب جهنم وعذاب القبر وفتنة المحیا والممات و فتنة المسیح الدجال فان جمیع هذه انما تحصل بطریق الوسواس ووقی عذاب الله فی الدنیا والاخرة فانه انما یعذب علی الذنوب واصلها من الوسواس ثم ان دخل فی الآیة وسواس غیره بحیث یکون قوله من شر الوسواس استعاذة من الوسواس الذی یعرض له والذی یعرض للناس بسببه فقد وقی ظلمهم وان کان انما یرید وسواسه فهم انما یسلطون علیه بذنوبه وهی من وسواسه قال تعالیٰ : اَوَ لَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُّصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ، قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ " وقال : وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وقال: فَمَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ -

والوسواس من جنس الحدیث والکلام ولهذا قال المفسرون فی قوله ما تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ قالوا ما تحدث به نفسه وقد قال صلی الله علیه وسلم ان الله تجاوز لامتی ما تحدثت به انفسها ما لم تتکلم به او تعمل به -

وهو نوعان خبر وانشاء فالخبر اما عن ماض واما عن مستقبل فالماضی

بذكره به والمستقبل يحدثه بان يفعل هو امورا او ان امورا ستكون بقدر الله او فعل غيره فهذه الامانى والمواعيد الكاذبة والانشاء امر ونهى واباحة۔

والشيطان تارة يحدث وسواس الشر وتارة ينسي الخير وكان ذلك بما يشغله به من حديث النفس قال تعالى فى النسيان : وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ " وقال فتى موسى : فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ " وقال تعالى : فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ "۔

وثبت فى الصحيحين عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال اذا اذن المؤذن ادبر الشيطان وله ضراط حتى لا يسمع التأذين فاذا قضى التأذين اقبل فاذا ثوب بالصلاة ادبر فاذا قضى التثويب اقبل حتى يخطر بين المرء ونفسه فيقول اذكر كذا اذكر كذا لما لم يذكر حتى يظل الرجل لم يدر كم صلى فالشيطان اذكره بامور ماضية حدث نفسه بها مما كانت فى نفسه من افعاله ومن غير افعاله فبتلك الامور نسى المصلى كم صلى ولم يدركم صلى وان النسيان ازال ما فى النفس من الذكر يشغلها بامر آخر حتى تنسى الاول و اما اخباره بما يكون فى المستقبل من المواعيد والامانى فكقوله وقال الشيطان لما قضى الامر : إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم۔ وفى هذه الاية امره ووعده وقال تعالى : وَمَن يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا۔ وقال تعالى : الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ ففى هذه ايضا امره ووعده وقال موسى لما قتل القبطى : هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ۔

وقد قال غير واحد من الصحابة كابى بكر وابن مسعود فيما يقولونه باجتهادهم ان كان صوابا فمن الله وان كان خطأ فمنى ومن الشيطان فجعلوا ما يلقى فى النفس من الاعتقادات التى ليست مطابقة من الشيطان وان لم يكن صاحبها آثما لانه استفرغ وسعه كما لا يأثم

بالوسواس الذی یکون فی الصلاة من الشیطان ولا بما یحدث به نفسه وقد قال المؤمنون: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا" وقد قال الله قد فعلت۔

والنسیان للحق من الشیطان والخطأ من الشیطان قال تعالیٰ: وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۔ وقد قال صلی الله علیه وسلم من نام عن صلاة او نسیها فلیصلها اذا ذکرها ولما نام هو واصحابه عن الصلاة فی غزوة خیبر قال لاصحابه ارتحلوا فان هذا مکان حضرنا فیه شیطان وقال ان الشیطان اتی بلالا فجعل یهدیه کما یهدی الصبی حتی نام وکان النبی صلی الله علیه وسلم وکل بلالا ان یوقظهم عند الفجر والنوم الذی یشغل عما امر به والنعاس من الشیطان وان کان معفوا عنه ولهذا قیل النعاس فی مجلس الذکر من الشیطان و کذالك الاحتلام فی المنام من الشیطان والنائم لا قلم علیه۔

وقد ثبت فی الصحیحین عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال الرؤیا ثلاثة رؤیا من الله ورؤیا من الشیطان ورؤیا مما یحدث به المرء نفسه فی الیقظة فیراه فی النوم وقد قیل ان هذا من کلام ابن سیرین لکن تقسیم الرؤیا الی نوعین نوع من الله ونوع من الشیطان صحیح عن النبی صلی الله علیه وسلم بلا ریب فهذان النوعان من وساوس النفس ومن وسواس الشیطان وکلاهما معفو عنه فان النائم قد رفع القلم عنه ووسواس الشیطان یغشی القلب کطیف الخیال فینسیه ما کان معه من الایمان حتی یعمی عن الحق فیقع فی الباطل فاذا کان من المتقین کما قال الله: إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَيْفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ۔ فان الشیطان مسهم بطیف منه یغشی القلب وقد یکون لطیفا وقد یکون کثیفا الا انه غشاوة علی القلب تمنعه ابصار الحق قال النبی صلی الله علیه وسلم ان العبد اذا اذنب نکتت فی قلبه نکتة سوداء فان تاب ونزع واستغفر صقل قلبه وان زاد زید فیها حتی تعلو قلبه فذلك الران الذی قال الله تعالیٰ: كَلَّا بَلْ رَانَ

عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ -

لكن طيف الشيطان غير رين الذنوب هذا جزاء على الذنب والغين الطف من ذلك كما فى الحديث الصحيح عنه صلى الله عليه وسلم قال انه ليغان على قلبى انى لاستغفر الله فى اليوم سبعين مرة فالشيطان يلقى فى النفس الشر والملك يلقى الخير وقد ثبت فى الصحيح عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال ما منكم من احد الا وقد وكل به قرينه من الملائكة وقرينه من الجن قالوا واياك يا رسول الله قال واياى الا ان الله اعاننى عليه فاسلم وفى رواية فلا يأمرنى الا بخير اى استسلم وانقاد وكان ابن عيينة يرويه فاسلم بالضم ويقول ان الشيطان لا يسلم لكن قوله فى الرواية الاخرى فلا يأمرنى الا بخير دل على انه لم يبق يأمره بالشر وهذا اسلام وان كان ذلك كناية عن خضوعه وذلته لا عن ايمانه بالله كما يقهر الرجل عدوه الظاهر ويأسره وقد عرف العدو المقهور ان ذلك القاهر يعرف ما يشير به عليه من الشر فلا يقبله بل يعاقبه على ذلك فيحتاج لانقهاره معه الى انه لا يشير عليه الا بخير لذلته وعجزه لا لصلاحه ودينه ولهذا قال صلى الله عليه وسلم الا ان الله اعاننى عليه فلا يأمرنى الا بخير وقال ابن مسعود ان للملك لمة وان للشيطان لمة فلمة الملك ايعاد بالخير وتصديق بالحق ولمة الشيطان ايعاد بالشر وتكذيب بالحق وقد قال تعالى: إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ - اى يخوفكم اولياءه بما يقذف فى قلوبكم من الوسوسة المرعبة كشيطان الانس الذى يخوف من العدو فيرجف ويخذل وعكس هذا قوله تعالى: إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ - وقال تعالى: يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ - وقال تعالى: وَلَوْلَا أَن ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدتَّ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا - والتثبت جعل الانسان ثابتا لا مرتابا وذلك بالقاء ما يثبته من التصديق بالحق والوعد بالخير كما قال ابن مسعود لمة الملك وعد بالخير وتصديق

بالحق فتی علم القلب ان ما اخبر به الرسول حق صدقه واذا علم ان الله قد وعده بالتصدیق وثق بوعد الله فثبت فهذا یثبت بالکلام کما یثبت الانسان الانسان فی امر قد اضطرب فیه بان یخبره بصدقه ویخبره بما یبین له انه منصور فیثبت وقد یکون التثبیت بالفعل بان یمسك القلب حتی یثبت کما یمسك الانسان الانسان حتی یثبت۔

وفی الحدیث عن النبی صلی الله علیه وسلم من سأل القضاء واستعان علیه وکل الیه ومن لم یسأل القضاء ولم یستعن علیه انزل الله علیه ملکا یسدده فهذا الملك یجعله سدید القول بما یلقی فی قلبه من التصدیق بالحق والوعد بالخیر وقد قال تعالی: هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ۔ فدل ذلك علی ان هذه الصلاة سبب لخروجهم من الظلمات الی النور وقد ذکر اخراجه للمؤمنین من الظلمات الی النور فی غیر آیة کقوله: اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ۔ وقال هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ۔ وقال كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ۔ وفی الحدیث: ان الله وملائکته یصلون علی معلمی الناس الخیر وذلك ان هذا بتعلیمه الخیر یخرج الناس من الظلمات الی النور والجزاء من جنس العمل ولهذا کان الرسول احق الناس بکمال هذه الصلاة کما قال تعالی: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ۔ والصلاة هی الدعاء اما بخبر یتضمن الدعاء واما بصیغة الدعاء فالملائکة یدعون للمؤمنین کما فی الصحیح عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال والملائکة تصلی علی احدکم ما دام فی مصلاه اللهم اغفر له اللهم ارحمه ما لم یحدث فبین ان صلاتهم قولهم اللهم اغفر له اللهم ارحمه۔

وفی الاثر ان الرب یصلی فیقول سبقت او غلبت رحمتی غضبی وهذا

كلامه سبحانه هو خبر وانشاء يتضمن ان الرحمة تسبق الغضب وتغلبه وهو سبحانه لا يدعو غيره ان يفعل كما يدعوه الملائكة وغيرهم من الخلق بل طلبه بأمره وقوله و قسمه كقوله لا فعلن كذا وقوله كن فيكون وقوله لا فعلن كذا اقسم منه كقوله: لَاَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ" وقوله: وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ -" وقوله: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا - وقوله: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ - وهذا وعد مؤكد بالقسم بخلاف قوله: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا - فان هذا وعد وخبر ليس فيه قسم لكنه مؤكد باللام التي يمكن ان تكون جواب قسم وقوله: وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا - وقوله: وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ - ونحو ذلك وعد مجرد

وقد قال تعالى: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ - فاخبر انه يوحي الى البشر تارة وحياً منه وتارة يرسل رسولاً فيوحي الى الرسول باذنه ما يشاء -

والملائكة رسل الله ولفظ الملك يتضمن معنى الرسالة فان اصل الكلمة ملاك على وزن مفعل لكن لكثرة الاستعمال خففت بان القيت حركة الهمزة على الساكن قبلها وحذفت الهمزة وملاك ماخوذ من المألك والملاك بتقديم الهمزة على اللام واللام على الهمزة وهو الرسالة وكذلك الالوكة بتقديم الهمزة على اللام قال الشاعر -

ابلغ النعمان عني مألكاً انه قد طال حبسي وانتظاري

وهذا بتقديم الهمزة لكن الملك هو بتقديم اللام على الهمزة وهذا الجود فان نظيره في الاشتقاق الاكبر لاك يلوك اذا لاك الكلام رالجام والهمزة اقوى من الواو ويليه في الاشتقاق الاوسط اكل يأكل فان الآكل يلوك ما يدخله في جوفه من الغذاء والكلام والعلم ما يدخل في الباطن ويغذى به صاحبه قال عبدالله

بن مسعود ان کل آدب یحب ان تؤتی مادبته وان مادبة الله القرآن والآدب المضیف والمأدبة الضیافة وهو ما یجعل من الطعام للضیف فبین ان الله ضیف عبادہ بالکلام الذی انزله الیهم فهو غذاء قلوبهم وقوتها وهو اشد انتفاعا به واحتیاجا الیه من الجسد بغذائه۔

وقال علی رضی الله عنه الربانیون هم الذین یغذون الناس بالحکمة ویربونهم علیها وقد قال صلی الله علیه وسلم انی ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی وقد اخبر الله تعالیٰ ان القرآن شفاء لما فی الصدور والناس الی الغذاء احوج منهم الی الشفاء فی القلوب والابدان وفی الصحیحین عنه صلی الله علیه وسلم قال مثل ما بعثنی الله به من الهدی والعلم کمثل غیث اصاب ارضا فکانت منها طائفة امسکت الماء فانبتت الکلاء والعشب الکثیر وکانت منها طائفة امسکت الماء فشرب الناس وسقوا وزرعوا وکانت منها طائفة انما هی قیعان لا تمسک ماء ولا تنبت کلا فذلک مثل من فقه فی دین الله ونفعه ما بعثنی الله به من الهدی والعلم ومثل من لم یرفع بذلک راسا ولم یقبل هدی الله الذی ارسلت به۔

فاخبر ان ما بعث به للقلوب کالماء للارض تارة تشربه فتنبت وتارة تحفظه وتارة لا هذا ولا هذا والارض تشرب الماء وتغتذی به حتی یعمل الخیر وقد اخبر الله تعالیٰ انه روح تحیا به القلوب فقال: وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ" واذا کان ما یوحیه الی عبادہ تارة یکون بوساطة ملک وتارة بغیر وساطة فهذا للمؤمنین کلهم مطلقاً لا یختص به الانبیاء قال تعالیٰ: وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ۔ وقال تعالیٰ: وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ۔ واذا کان قد قال وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ الآیه فذکر انه یوحی الیهم فالی الانسان اولی وقال تعالیٰ: وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا۔ وقد قال تعالیٰ: وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا

فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا، فهو سبحانه يلهم الفجور والتقوى للنفس والفجور يكون بواسطة الشيطان وهو الهام وسواس والتقوى بواسطة ملك وهو الهام وحي هذا امر بالفجور وهذا امر بالتقوى والامر لابد ان يقترن به خبر۔

وقد صار في العرف لفظ الالهام اذا اطلق لا يراد به الوسوسة وهذه الآية مما تدل على انه يفرق بين الهام الوحي وبين الوسوسة فالمأمور به ان كان تقوى الله فهو من الهام الوحي وان كان من الفجور فهو من وسوسة الشيطان۔

فيكون الفرق بين الالهام المحمود وبين الوسوسة المذمومة هو الكتاب و السنة فان كان مما القي في النفس مما دل الكتاب والسنة على انه تقوى لله فهو من الالهام المحمود وان كان مما دل على انه فجور فهو من الوسواس المذموم وهذا الفرق مطرد لا ينتقض وقد ذكر ابو حازم في الفرق بين وسوسة النفس والشيطان فقال ما كرهته نفسك لنفسك فهو من الشيطان فاستعذ بالله منه وما احبته نفسك لنفسك فهو من نفسك فانهها عنه۔

وقد تكلم النظار في العلم الحاصل في القلب عقب النظر والاستدلال فذكروا فيه ثلاثة اقوال كما ذكر ذلك ابو حامد في مستصفاه وغيره قول الجهمية وقول القدرية وقول الفلاسفة وكثير من اهل الكلام لا يذكر الا القولين قول الجهمية وقول القدرية۔

وذلك انهم يذكرون في كتبهم ما يعرفونه من اقوال من يعرفونه تكلم في هذا وهم لا يعرفون الا هؤلاء والمسئلة هي من فروع القدر فان الحاصل في نفس حادث فيها فالقول فيه كالاقوال في امثاله۔

ومذهب جهم ومن وافقه كابي الحسن الاشعري وكثير من المتاخرين المثبتة هو مذهب اهل السنة والجماعة ان الله خالق كل شئ وان الله خالق افعال العباد لكنه لا يثبت سببا ولا قدرة موثرة ولا حكمة لفعل الرب فانكر الطبائع والقوى التي في الاعيان وانكر الاسباب والحكم فلهذا لم يجعل لشئ سببا بل يقول هذا حاصل بخلق الله وقدرته ولم يذكروا له سببا وهم صادقون في اضافته الى قدرته وانه خالقه خلافا

للقدرية لكن من تمام المعرفة اثبات الاسباب ومعرفتها۔ واما القدرية من المعتزلة وغيرهم فبنوه على اصلهم وهو ان كل ما تولد عن فعل العبد فهو فعله لا يضاف الى غيره كما لشبع والرى وزهوق الروح ونحو ذلك فقالوا هذا العلم متولد عن نظر العبد او تذكر النظر۔ والمتفلسفة بنوه على اصلهم فی ان ما یحدث من الصور وهو من فیض العقل الفعال عند استعداد المواد القابلة فقالوا یحصل فی نفوس البشر من فیض العقل الفعال عند استعداد النفس باستحضار المقدمتین وهذا القول خطأ والذی قبله اقرب منه والاول اقرب ولیس فی شئ منها تحقیق الامر فی ذلک۔

وحقیقته ان الله وکل بالانس ملائکة وشیاطین یلقون فی قلوبهم الخیر والشر فالعلم الصادق من الخیر والعقائد الباطلة من الشر کما قال ابن مسعود لمة الملک تصدیق بالحق ولمة الشیطان تکذیب بالحق وکما قال النبی صلی الله علیه وسلم فی القاضی انزل الله علیه ملکا یسدده وکما اخبر الله ان الملائکة توحی الی البشر ما توحیه وان کان البشر لا یشعر بانه من الملک کما لا یشعر بالشیطان الموسوس لکن الله اخبر انه یکلم البشر وحیا او یکلم بملک یوحی باذنه ما یشاء والثالث التکلیم من وراء حجاب وقد قال بعض المفسرین المراد بالوحی هنا الوحی فی المنام ولم یذکر ابو الفرج غیره ولیس الامر کذلک فان المنام تارة یکون من الله وتارة یکون من النفس وتارة یکون من الشیطان وهکذا ما یلقی فی الیقظة والانبیاء معصومون فی الیقظة والمنام ولهذا کانت رؤیا الانبیاء وحیا کما قال ذلک ابن عباس وعبید بن عمیر وقرأ قوله انی اری فی المنام انی اذبحک ولیس کل من رای رؤیا کانت وحیا فکذلک لیس کل من القی فی قلبه شئ یکون وحیا والانسان قد تکون نفسه فی یقظته اکمل منها فی نومه کالمصلی الذی یناجی ربه فاذا جاز ان یوحی الیه فی حال النوم فلما ذا لا یوحی الیه فی حال الیقظة کما اوحی الی ام موسی والحواریین والی النحل لکن لیس لاحد ان یطلق القول علی ما یقع فی نفسه انه وحی لا فی یقظة و لا فی المنام لا بد لیس یدل علی ذلک فان الوسواس غالب علی الناس والله اعلم۔

تمت

(اسلامیہ سٹیم پریس لاہور بیرون لوہاری دروازہ میں باہتمام منشی محمد نبی خاں پرنٹر چھپا)

دیگر نایاب کتابیں

اُسوۂ حسنہ مصر کے ایک مشہور عالم نے شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ کی کتاب زاد المعاد فی ہدی خیر العباد کا نہایت عمدہ خلاصہ بنام ھدی الرسول شائع کیا ہے۔ (اسوۂ حسنہ ہدی الرسول کا نہایت سلیس با محاورہ اردو ترجمہ ہے۔ جو مولانا عبد الرزاق صاحب سابق مدیر الجامعہ و پیغام کلکتہ سے نہایت اہتمام کے ساتھ کرایا گیا ہے۔ یہ کتاب اسقدر ضروری ہے کہ اسے قومی اور دینی درسگاہوں میں شامل ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس میں حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا صحیح اور حقیقی نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ قیمت عا

تقویۃ الایمان مصنفہ مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب شہیدؒ۔ پاکٹ سائز خوبصورت چھاپہ۔ شروع میں ایک مقدمہ ہے جو مولانا محی الدین احمد بی۔ اے قصوری کا لکھا ہوا ہے۔ جسمیں شاہ صاحب موصوف کے مختصر حالاتِ زندگی بھی درج ہیں۔ قابلدید ہے۔ قیمت - - - - - ۱۰ ار

تفسیر سورۃ والتین بزبان اردو از مولانا ابو الکلام صاحب آزاد۔ اس کتاب میں مسئلہ خیر و شر اور جزائے اعمال جس مؤثر اور مدلل طرز سے ادا ہوا ہے وہ ہر انسان کے غور و فکر کے قابل ہے۔ اور توجیہ اقسام قرآنی پر معرکۃ الآرا مضمون بھی درج کر دیا گیا ہے۔ بڑی بھاری خوبی یہ ہے کہ آپکی تفسیر حدیث نبویؐ اور آثار صحابہؓ کے مطابق ہوتی ہے۔ قیمت - - - - - ۸ ار

اثبات التوحید یہ کتاب قاضی فضل احمد صاحب پنشنر کورٹ انسپکٹر پولیس لدھیانوی کی کتاب مسمّےٰ بہ انوار آفتاب صداقت کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ جسمیں قاضی صاحب موصوف نے اہلحدیث اور جماعت حنفیہ دیوبندیہ کے عقاید شمار کر کے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نیز متعدد علمائے دیوبند اور مولانا اشرفعلی صاحب تھانوی پر کفر کا فتوےٰ صادر فرمایا ہے۔ اثبات التوحید میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور مولانا شہیدؒ کے مختصر حالات زندگی لکھ کر بعد میں قریباً بتیس مختلف مسائل پر بحث کر کے قرآن و حدیث کے نصوص قطعیہ کی رُو سے انسپکٹر صاحب کے اعتراضات کو توڑ دیا گیا ہے۔ اور آخر اہل سنت کا جو عقیدہ ہونا چاہئے اُسے بالوضاحت درج کر دیا گیا ہے۔ چونکہ توحید کی صحیح تعلیم کے بغیر ایمان کی تکمیل ممکن نہیں اور اسلام کے ارکان کی حقیقت پر دھبہ لگتا ہے اسلئے ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے ایمان اور اسلام کو درست بنانے کیلئے تعصب کو دُور کر کے اس کتاب کا مطالعہ کرے تاکہ مخالفین سنت کی تاویلات سے آگاہ ہو کر سنت خیر الانام پر عامل بن سکے۔ ملک کے مشہور علمائے کرام نے اسے نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے اور نہایت عمدہ عمدہ ریویو لکھے ہیں۔ غرضکہ یہ کتاب ہر پہلو سے مفید ثابت ہوئی ہے جسکی خوبی دیکھنے پر منحصر ہے۔ سائز ۲۰×۲۶/۸ حجم ۱۸۰ صفحات۔ قیمت صرف ایکروپیہ - - - - (عہ)

زیارۃ القبور مصنفہ علامہ محی الدین محمد برکوی حنفی الحمہ مذہب اہلسنت والجماعت کے مطابق زیارت قبور کی توضیح و تشریح، زیارت، شفاعت، وسیلہ وغیرہ تمام مسائل پر نہایت عالمانہ محققانہ اور منصفانہ انداز میں بحث کرنیکے سوا موجودہ شرک اور بدعات کی تردید بوجوہ احسن کی ہے۔ قیمت ۲ ر۔ (نوٹ:۔ چونکہ ایک کتاب بنام زیارۃ القبور امام ابن تیمیہؒ کی بھی تصنیف ہے لہذا فرمائش کے وقت مصنف کا نام لکھنا ضروری ہے)

ملنے کا پتہ:۔ محمد شریف عبد الغنی تاجران کتب بازار کشمیری لاہور

چراغِ حقیقت

یہ کتاب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے ایک نہایت ہی مفید رسالے کا اردو ترجمہ ہے عمارت اسلام کی بنیاد، معرفتِ خدا، دین خدا کے علم اور پیغمبر خدا کی واقفیت پر مبنی ہے۔ اس کتاب میں ان تمام باتوں کی تشریح ہے : معرفت الٰہی، خوف، رجا، توکل، رغبت، خشیت، انابت، استعانت، نذر، دین اسلام، ارکان اسلام، ایمان، احسان، رسولؐ خدا کی معرفت وغیرہ اہم مضامین پر معرکۃ الآرا مباحث درج ہیں۔ آخر میں اصولِ توحید اور معرفتِ شرک کی بحث کو اس وسعت نظر سے بیان کیا ہے کہ ہر گوشہ پر پوری روشنی ڈالدی ہے۔ الغرض نہایت نادر تحفہ ہے قیمت ۵ر

خزینۃ المیراث اردو

مؤلفہ مولوی فتح الدین صاحب شابی۔ جسقدر علم فرائض اور میراث کے متعلق مختلف رسائل اور تصانیف شائع ہو چکی ہیں اُن سب میں یہ کتاب اپنی نوعیت میں بالکل نرالی ہے۔ فاضل مؤلف نے مختلف جدولوں میں جہانتک ہو سکا ایسی صورتیں مندرج کر دی ہیں جو عام طور پر ممکن الوقوع ہو سکتی ہیں۔ ہر صورت مسئلہ کا تلاش کرنا بالکل آسان کر دیا ہے۔ مسئلہ کی کسی صورت کے حل کرنیکی ضرورت نہیں رہتی جمیع صور حل شدہ اس سے ملسکتی ہیں۔ گویا یہ کتاب علم میراث کی جنتری ہے۔ جس مسئلہ کو دیکھنا ہو فہرست سے اسکو دیکھا اور ہر ایک وارث کے حصص کو جداگانہ پڑھ لیا۔ ہر طبقہ کے اشخاص اس سے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ علمائے کرام کیلئے تقسیم میراث کے فرض منصبی ادا کرنے میں بہترین معاون اور اردو دان اصحاب کیلئے اہم علم میراث کی پیچیدگیوں کے حل کرنے میں استاد کامل کا کام دیتی ہے قانون پیشہ اصحاب اور وکلا نے بھی اسے نہایت مفید اور بے مثل بتلایا ہے۔ فاضل مؤلف کی پندرہ برس کی لگاتار محنت اور عرقریزی کا نتیجہ ہے۔ حجم ۱۸۸ صفحات۔ قیمت باوجود تمام خوبیوں کے ۸ر عما

جن لوگوں کی آنکھوں سے پانی جاری رہتا ہو یا آنکھیں تر و غلیظ رہتی ہوں۔
محمدی سُرمہ سفید اُن کے لئے یہ سرمہ بفضلہ تعالےٰ نہایت مفید ہے۔ رات کو سوتے وقت ایک ایک سلائی لگانے سے فوراً پانی رُک جاتا ہے۔ قیمت فی تولہ دو روپیہ (دعا)

پتہ
محمد شریف عبدالغنی تاجران کتب مالکان دارالترجمہ والاشاعت کتب حدیث و تصانیف امام ابن تیمیہؒ وغیرہ
کشمیری بازار لاہور